فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
حالات و سوانح ○ سلسلۂ کشاکش
اثرات و نتائج
www.KitaboSunnat.com
تالیف
مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ
مکتبہ محمدیہ
www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

فتنہ قادیانیت

اور

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

حالات وسوانح ⊙ سلسلۂ کشاکش
اثرات ونتائج

تالیف
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
مکتبہ محمدیہ
قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
Mob 0300-4826023

نام کتاب	----------	فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
تالیف	----------	مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ
طابع	----------	عبدالرحمان عابد
طبع اول	----------	اگست 2007ء
ناشر	----------	مکتبہ محمدیہ
قیمت	----------	-/200 روپے

اسٹاکسٹ

دارالکتب السلفیہ ○ شیش محل روڈ ○ لاہور
Ph.: 0092-042-7237184
7230271-7213032

مکتبہ اسلامیہ
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
Ph: 042-7244973

دارالفرقان الفضل مارکیٹ اُردو بازار ○ لاہور
Ph: 042-7231602

ملنے کے پتے

اردو بازار لاہور:
اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 ❁ مکتبہ قدوسیہ رحمٰن مارکیٹ۔غزنی سٹریٹ۔
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 ❁ محمدی پبلشنگ ہاؤس ایوان علم پلازہ 7223046
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7320318

فیصل آباد:
مکتبہ اسلامیہ۔ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ ❁ رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار
مکتبہ اہل حدیث، بالمقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار ❁ مکتبہ دارارقم امین پور بازار

گوجرانوالہ:
والی کتاب گھر اُردو بازار 233089 ❁ مدینہ کتاب گھر اُردو بازار ❁ مکتبہ نعمانیہ اردو بازار

ملتان:
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہر گیٹ 541809 ❁ مکتبہ دارالسلام کنگھیانوالی مسجد تھانہ بوہر گیٹ 541229

اوکاڑہ:
مکتبہ تفہیم السنہ شیر ربانی ٹاؤن۔غازی روڈ 528621

چیچہ وطنی:
اسلامی کتب خانہ، ڈاکخانہ بازار نزد پانی والی ٹینکی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" لا تقوم السَّاعةُ حتّٰی ينبعثَ دجّالونَ كذّابونَ قريبٌ مِّنْ ثلا ثينَ كلّهم يزعمُ انه رسولُ اللّٰه "

" وانّه سيكونُ في امّتي ثلا ثونَ كذّابونَ كلّهُمْ يزعمُ انهٗ نبيٌّ وَانا خاتمُ النبيّينَ لا نبيَّ بَعْدي " (رواهما او احدهما او مثلهما احمد والبخاري، ومسلم، وابوداؤد، والترمذي، وابن ماجه عن ابي هريرة وثوبان، وجابر بن سمرة وحذيفة)

یعنی قیامت سے پہلے میری امت میں تقریباً تیس دجال وکذاب نکلیں گے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول اور نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (قادیانی اخبار بدر قادیان ۵/ مارچ ۱۹۰۸ء، و ملفوظات مرزا ص ۴۴۷، ج ۵، طبع جدید ربوہ بدون تاریخ)

"ہمارے نبی ہونے کے وہی نشانات ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔"

(ایضاً ۹ مارچ ۱۹۰۸ء)

"میں اللہ کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔" (اخبار عام ۲۳/ مئی ۱۹۰۸ء، مندرجہ مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ص ۵۹۷، ج طبع ربوہ نوٹ یہ خط مرزا جی نے اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام ۲۳ مئی کو لکھا اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ابو صہیب محمد داؤد ارشد)

......اور اللہ نے فیصلہ کردیا

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

اے میرے مالک، بصیر و قدیر، جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں۔ اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کردے، آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق اللہ! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔

......اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھالے۔

(اشتہار ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ، مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ج ۳)

اور اللہ نے فیصلہ کردیا

یعنی ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴/ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ کو مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں مرزا صاحب کو دنیا سے اٹھالیا۔

فہرست مضامین

مقدمہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک وہند کی جامع الصفات علمی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ خوبیوں اور محاسن سے نواز رکھا تھا' وہ دین کے داعی بھی تھے اور مفسر قرآن بھی' متکلم بھی تھے اور مصنف بھی' مناظر بھی تھے اور صحافی بھی' ان کی اسلامی اور مسلکی خدمات کا دائرہ اس خطہ ارض میں دور دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے' ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے ان علمائے کرام میں ہوتا ہے' جو متعدد اوصاف کے حامل تھے اور انہوں نے اس دور میں شعور کی آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا' جب اس خطے میں کئی اسلام دشمن تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں اور اسلام پر وہ پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی تھیں۔

مولانا مرحوم نے ان حالات میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں' مختلف مذاہب کی کتب کا مطالعہ کر کے ان سے متعلق معلومات حاصل کیں اور گردوپیش کا جائزہ لے کر وہ ان سب کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور اسلام کی مدافعت و محافظت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔

مولانا ابو علی اثری نے لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ جامع الصفات تھے' اللہ تعالیٰ نے بیک وقت بہت سے فضائل اور محاسن ان میں جمع کر دیئے تھے' انہوں نے اپنی تمام حیثیتوں سے مذہب اہل حدیث اور اس سے کہیں زیادہ اسلام کو فائدہ پہنچایا اور اپنے واحد اہل حدیث اخبار کے ذریعے تحریک اہل حدیث کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا' یہ تحریک اہل حدیث کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان جیسا باہمت' وسیع المعلومات' وسیع النظر اور وسیع المطالعہ عالم اس کو مل گیا جس نے اپنی تصنیفات' رسائل' مضامین اور تحریروں سے تحریک اہل حدیث میں ایسی زبردست انرجی اور طاقت بھر دی کہ ہندوستان میں بڑے بڑے مذاہب کے نظامات اس کی ٹکر سے گھائل گئے۔

انہوں نے سید صاحب کے خیالات کے مطابق رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر بھی رسالے لکھے اور قادیانیوں اور آریہ کے رد میں بھی کتابیں لکھیں اور ان کے علماء اور پنڈتوں سے کھلے جلسوں میں مناظرے بھی کئے' جن کا زہر بڑی تیزی کے ساتھ نہ صرف پنجاب' بلکہ پورے

ملک میں پھیلتا چلا جا رہا تھا اور یہ ان کی اتنی بڑی مذہبی خدمات ہیں کہ اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ پھر ان اہم دینی خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے فروعی مسائل یعنی رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر رسائل اور کتابیں لکھ کر خوب داد تحقیق دی اور نہایت قوی دلائل سے ان کی مؤید احادیث کو مرجع ہونا ثابت کیا ہے' یہ بھی ایک بڑی اہم دینی خدمت تھی' جو ان سے عمل میں آئی۔ اگر انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی' ان موضوعات پر اردو میں کتابیں نہ لکھتے تو بے چارے اردو دان جو اس مسلک پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے' اپنی تشنگی کہاں جا کر بجھاتے' کوئی تو سرچشمہ ان کے لئے چاہیے تھا۔ مقلدین کے لئے تو دیوبند' سہارن پور' دہلی' مراد آباد اور پھر ان میں سے ایک طبقہ کے لئے بدایوں' بریلی اور فرنگی محل تھا لیکن سلف کے نقش قدم پر چلنے والوں کا مامن ومتکا کہاں تھا اور یہ کس دیوار سے جا کر اپنا سر ٹکراتے۔

مولانا ثناء اللہ ان مرفوع' قوی اور مرجع احادیث پر عمل کرنے والوں کے لئے درحقیقت آیۃ من آیات اللہ تھے' ان کی بدولت نبی ﷺ کی کتنی متروک سنتوں پر عمل ہوا اور وہ سنتیں کتنے لوگوں کا مستقل مسلک بن گئیں۔ یہ وہی ہیں' جو اپنے کو اہل حدیث' عامل بالحدیث' سلفی' موحد' محمدی اور جبکہ اغیار ان کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں اور بحمد للہ برصغیر کے دونوں ٹکڑوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اب آیئے! مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف گوناگوں اور دینی خدمات کی ایک اجمالی سی جھلک دیکھنے کی کوشش کریں۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد اصلاً کشمیر کے رہنے والے تھے اور کشمیریوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے' ان کے والد کا نام ''خضر جو'' اور تایا کا اسم گرامی ''اکرم جو'' تھا۔ یہ لوگ علاقہ ڈور کے رہنے والے تھے' جو تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر میں واقع ہے' کشمیر کے زیادہ تر لوگ پشمینے کی تجارت کا کام کرتے تھے اور مولانا مرحوم کے والد اور تایا کا بھی یہی کاروبار تھا۔ یہ لوگ ۱۸۶۰ء میں تجارت کی غرض سے یا کشمیر کے ڈوگرا حکمران رانا رنبیر سنگھ کی ستم رانیوں سے تنگ آ کر امرتسر میں سکونت پذیر ہوئے اور یہ وہ دور تھا کہ جب برصغیر پر انگریز کی حکمرانی تھی اور یہ خطہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ (سیرت ثنائی)

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت جون ۱۸۶۸ء (بمطابق ۱۲۸۷ ہجری) کو امرتسر میں ہوئی۔

عمر عزیز کی ابھی سات بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ ان کے والد محترم اس دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کو روانہ ہوئے اور کچھ عرصہ بعد ان کے تایا ''اکرم جو'' بھی سفر آخرت اختیار کر گئے' یہ وقت مولانا مرحوم کے لئے نہایت رنج والم اور ابتلا کا تھا اور ساتھ ہی عسرت و تنگدستی کے سائے بھی چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی ابراہیم رفو گری کا کام کرتے تھے' انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی یہ کام سکھادیا اور دونوں بھائی یہ کام کر کے رزق حلال کمانے لگے۔

مولانا مرحوم کی عمر ۱۴ سال تھی کہ ان کی پیاری والدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ انہی دنوں ایک بزرگ ان کے پاس اپنا چوغہ رفو کروانے کے لئے لے کر آئے' انہوں نے مولانا مرحوم سے چند دینی باتیں کیں اور مولانا نے ان کے بڑے اچھے جوابات دیئے۔ اس بزرگ نے مولانا کی ذہانت و فطانت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں دینی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا' اس وقت مولانا مرحوم کی عمر چودہ سال تھی' اسی عمر میں ان کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا اور اس وقت امرتسر میں مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۱۶ء) کا سلسلہ درس جاری تھا' جن کا شمار امرتسر کے رؤساء میں ہوتا تھا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم رحمہ اللہ نے ان کے حلقہ درس میں رہ کر درسی کتب درسیہ میں سے علم نحو کی شرح جامی اور علم منطق کی قطبی تک کتابیں پڑھیں' اس کے بعد کتب حدیث کی تحصیل کے لئے گوجرانوالہ کے شہر وزیر آباد کا رخ کیا۔ اس دور میں صوبہ پنجاب کے اس چھوٹے سے شہر کو علم حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس علمی شہر میں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ فروکش تھے اور انہوں نے مسند حدیث آراستہ کر رکھی تھی' حافظ صاحب آنکھوں سے نابینا اور دل کے بینا تھے' ان کی علمی بصیرت بہت تیز تھی کہ وہ بہت بڑے عالم حدیث اور فن رجال کے ماہر تھے۔

متحدہ پنجاب میں جن علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے علم حدیث کی شمع روشن ہوئی اور قال اللہ و قال الرسول کی دل نواز صدائیں گونجیں' ان میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (رحمہ اللہ) کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔ اس عظیم المرتبت استاذ حدیث کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا ثناء اللہ (رحمہ اللہ) نے کتب احادیث اور دیگر مروجہ دینی علوم و فنون کی تحصیل کی اور

۱۸۸۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے صحیحین پڑھنے کی خاطر بلوہ علم دہلی کی طرف شد رحال کیا' یہ وہ دور تھا جب دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس و تدریس بام عروج پر تھا' مولانا مرحوم ان کی درسگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور ان کی خدمت میں اپنے استادِ گرامی حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حاصل کردہ سند پیش کر کے ان سے شرف اجازہ کی سعادت حاصل کی اور یہ بہت بڑا اعزاز تھا' جو انہیں حضرت میاں صاحب کی طرف سے عطا ہوا۔

یہاں سے علمی و عملی طور پر بہرہ مند ہونے کے بعد مولانا مرحوم سہارن پور گئے اور کچھ عرصہ وہاں مدرسہ مظاہر العلوم میں قیام پذیر ہو کر دینی علوم سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حصول علم کے لئے سہارن پور سے دیوبند آئے تو ان دنوں دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ فائز تھے' مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرحوم باقاعدہ ان کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہوئے اور ان سے منقولات و معقولات سے متعلق کتب درسیہ کی تکمیل کی اور دورہ حدیث میں بھی شریک ہوئے' یہاں انہوں نے حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم دیوبند کے درس حدیث میں جو فرق تھا' اسے خوب سمجھا اور درس و تدریس کے یہ دونوں مراکز جن خطوط پر چل رہے تھے اس سے خوب استفادہ کیا۔ دیوبند کی سند فراغت کو مولانا مرحوم اپنے لئے باعث افتخار قرار دیتے تھے۔ (بزم ارجمنداں)

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ فیض عام کانپور پہنچے۔ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ مولانا محترم حدیث کے ساتھ ساتھ علوم معقول و منقول میں بھی خاص شغف رکھتے تھے لہٰذا وہ خوشی خوشی مدرسہ فیض عام کانپور میں داخل ہوئے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خودنوشت حالات میں بیان کرتے ہیں کہ ---- وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہی دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا

حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم) استاذ العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے' اس لئے میں نے حدیث کے تینوں اساتذہ سے جو طریقہ تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے' جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ ۱۳۱۰ ہجری بمطابق ۱۸۹۲ء فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا' جس میں آٹھ طلبہ کو دستارِ فضیلت اور سند تکمیل دی گئی تو ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔ (اہل حدیث کا مذہب)

یہاں ایک عجیب اتفاق بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جس موقع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ان کے ساتھیوں کی دستار بندی ہوئی اور ان کو سندیں دی گئیں تھیں' اسی مجلس میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے انہیں ندوۃ العلماء کا رکن بنایا گیا تھا' اس مجلس میں ندوہ کے تاسیسی ارکان میں یہ سب سے کم عمر تھے۔

۱۸۹۲ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن امرتسر تشریف لائے۔ ان کے پہلے استاد مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کا مدرسہ تائید اسلام مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور یہاں بچوں کی تعلیم کے لئے تدریس کا کام احسن طریقے سے چل رہا تھا۔ مولانا احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اس شاگرد رشید کی علمی لیاقت' وسعت معلومات' وسیع المطالعہ اور رسوخ علم کا پتہ تھا لہذا انہوں نے مولانا کی خدمات اپنے مدرسہ تائید الاسلام کے لئے حاصل کر لیں۔

بیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ مناظروں اور مباحثوں کا زمانہ تھا۔ مختلف مذاہب کے اصحاب علم اپنے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے کو مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے' مناظروں میں حریف کے علم و فضل کا بہت بڑا معیار سرکاری سند کو سمجھا جاتا تھا اور اس دور میں کسی عالم دین کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا اور اس سے علمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے اور نئی راہیں کھلتی تھیں۔ علوم شرقیہ میں مولوی فاضل کا امتحان خاص اہمیت رکھتا تھا چنانچہ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے اس کی سند حاصل کی۔ (بزم ارجمنداں۔ از مولانا اسحٰق بھٹی' صفحہ ۱۴۷)

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ تحصیل علم کے بعد مولانا کو منصب تدریس پر متمکن ہونے کے مواقع میسر آئے مگر انہوں نے عملی طور پر اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف اطراف سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر شدید حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پرچارکوں نے ایک خاص منصوبے کے تحت منظم طریقے سے اسلام اور اسلامی تہذیب وتعلیمات پر یلغار کردی تھی اور اس کے علاوہ فتنہ مرزائیت بھی ابھر آیا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقت مسجد میں بیٹھ کر خدمت دین سرانجام دینے کا نہ تھا بلکہ میدان میں اتر کر براہِ راست ان غلط طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا تھا۔ اس وقت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اس محاذ کے علم بردار تھے اور تنہا مخالفین اسلام کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اسی مورچے میں آنے کو ترجیح دی، وہ خود فرماتے ہیں کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا، اس لئے ادھر سے ماحول کی مذہبی حالت دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔

میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالفت عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں اور ان ہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی، جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے میں مناظرات کی طرف بہت زیادہ راغب تھی، اس لئے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی، آریہ، قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا اور بفضلہ تعالیٰ میں نے اس میں کافی واقفیت حاصل کر لی، ہاں! اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی، جن کی جانب مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؏

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں، میں نے چند علمائے سلف کی تصنیفات سے خاص فوائد حاصل کئے، حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی، حافظ ابن حزم، علامہ عبدالکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف سے فائدہ اٹھا۔ (اہل حدیث کا مذہب)

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و تصنیفی خدمات کا جائزہ لیں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے تحصیل علم کے فوری بعد تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں تفسیر ثنائی کی جلد اول لکھ کر شائع کر دی تھی اور جبکہ ادیان باطلہ کے رد میں آپ نے ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ لکھنا شروع کیا۔ آپ کا مطالعہ وسیع اور اسلامی علوم وفنون پر گہری نظر تھی۔ حدیث، تفسیر منطق، فلسفہ اور علم الکلام میں آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ جس موضوع پر گفتگو فرماتے تھے علم کے لؤلؤ ولالہ بکھیرتے چلے جاتے اور جس عنوان پر قلم کو جنبش دیتے، علم و تحقیق کے موتی پرو کے رکھ دیتے، مولانا نے مختلف موضوعات پر لکھا اور خوب لکھا۔

آریہ سماج، عیسائیت اور فتنہ قادیانیت ان کی توجہ کا خاص مرکز رہے اور انہوں نے ان باطل فرقوں کے خلاف تحریری، تصنیفی اور مناظرہ مباحثہ کے ذریعے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم سادہ اور عام فہم اسلوب میں لکھتے تھے اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہایت خوبصورتی سے کرتے تھے، ان کی تحریروں میں علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کی چاشنی بھی پائی جاتی تھی اور بلاشبہ وہ اس خطۂ ارض کے بلند پایہ مصنف، خطیب اور مناظر تھے۔ ہمارے بزرگ دوست اور جماعت اہل حدیث کے عظیم مصنف محترم ملک عبدالرشید عراقی صاحب کی تحقیق کے مطابق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد ۱۸۹ تک پہنچتی ہے اور اس میں اگر محترم مولانا سعید چنیوٹی صاحب کے مرتب کردہ سفر نامہ حجاز ثناء اللہ امرتسری کو بھی شامل کرلیا جائے تو کل کتب ۱۹۰ ہو جاتی ہیں۔ (چالیس علمائے اہل حدیث)

آئندہ سطور میں مولانا مرحوم کی معروف تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تفسیر قرآن اور خدمات قرآن کے حوالے سے آپ نے چار تفاسیر لکھیں۔

(۱) تفسیر ثنائی:

یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے' اس کی تکمیل میں ۳۶ سال کا عرصہ لگا اور پہلی جلد ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی اور جبکہ آخری جلد ۱۹۳۱ء میں طبع ہوئی۔

قرآن مجید کی یہ مختصر اور جامع تفسیر ہے۔ مولانا محترم نے اردو ترجمہ کرتے وقت ایک آیت کا ربط دوسری آیت سے قائم کرنے کی سعی کی ہے اور مناظرانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اسلام دشمن عناصر اور سرسید کے بعض افکار ونظریات پر تنقید کرتے ہوئے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔ یہ تفسیر اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہے' اس کے شروع میں مولانا مرحوم نے مقدمہ تفسیر میں سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو عقلی ونقلی دلائل سے اس طرح پیش کیا ہے کہ ذرا سی ہوش وخرد رکھنے والا اسے پڑھ کر فوراً نبی ﷺ کی نبوت کا قائل ہو جائے' یہ تفسیر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

(۲) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن:

یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے' اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ایک آیت کی تشریح وترجمہ کے لئے دوسری آیت سے مدد لی ہے یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی گئی ہے۔ اکابر علمائے کرام اور عرب دنیا نے اس تفسیر کی بڑی تحسین کی اور مولانا کے حسن کلام اور اسلوب بیان کو سراہتے ہوئے انہیں قدر ومنزلت سے نوازا ہے۔

(۳) بیان الفرقان علی علم البیان:

یہ تفسیر صرف سورۃ بقرہ تک ہے اور عربی زبان میں لکھی گئی ہے' اس میں فصاحت و بلاغت کے ذریعے قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ تفسیر فن بیان ومعانی کا ایک نمونہ ہے' افسوس مکمل نہ ہو سکی۔

تفسیر بالرائے:

اس تفسیر میں مولانا نے تفسیر بالرائے پر اصولی وفنی نقطہ نگاہ سے بحث کی ہے اور اس کی روشنی میں بعض مفسرین کی ان اغلاط کی نشاندہی کی ہے جو اس موضوع سے متعلق کی گئی ہیں' اس میں

قادیانی' چکرالوی' بریلوی اور شیعہ حضرات کے مفسرین کے غلط استدلال کی اصلاح کرتے ہوئے بڑی اچھی اور عمدہ تحقیقی بحث کی ہے۔

ان مذکورہ تفاسیر کے علاوہ اس موضوع پر مولانا موصوف نے جو کتب تصنیف کیں' ان کے نام یہ ہیں۔ آیات متشابہات' برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر' الہامی کتب' القرآن العظیم' الہام' کتاب الرحمٰن' حق پرکاش وغیرہ۔ (مولانا ثناء اللہ امرتسری مختصر حالات اور تفسیری خدمات صفحہ ۶۰' از عبدالمبین ندوی)

عیسائیت کے رد میں کتب:

برصغیر میں جب انگریز کا تسلط ہوا تو عیسائی مشنری بھی سرگرم ہوگئی اور انہوں نے عیسائیت کی ترویج واشاعت کے لئے لوگوں میں تبلیغ کرنا شروع کر دی اور بعض عیسائی مصنفوں نے دین اسلام کو بھی ہدف تنقید ٹھہرایا اور کتب تصنیف کیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ان کتب کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور انہوں نے اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے رد میں بڑی تحقیقی کتب لکھیں۔ عیسائیت کے رد میں لکھی گئی ان کی مشہور کتب یہ ہیں:

تقابل ثلاثہ:

یہ کتاب مولانا مرحوم کی مشہور اور بلند پایہ تصنیف ہے۔ اسے انہوں نے پادری ٹھاکردت کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب میں حوالہ قرطاس کیا تھا' مولانا نے اس کتاب میں قرانا عربیا غیر ذی عوج. کا تقابل توراۃ اور انجیل کے ساتھ آیت بہ آیت سامنے کیا ہے اور تینوں کتابوں کے الہامی مضامین اصل الفاظ میں دکھا کر قرآن حکیم کی برتری اور فضیلت ثابت کی ہے۔ یہ اپنے موضوع کی دلچسپ اور منفرد کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی تھی۔

توحید تثلیث اور راہِ نجات:

اس کتاب میں توحید' تثلیث اور راہ نجات پر تحقیقانہ بحث کر کے عیسائیوں کے اعتراضات کا بڑا عمدہ جواب دیا ہے' یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں طبع ہوئی۔

جوابات نصاریٰ:

یہ کتاب مولانا کے ان رسائل و مضامین کا مجموعہ ہے' جو انہوں نے عیسائی پادری عبدالحق اور پادری سلطان پال کے جواب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔

مناظرہ الٰہ آباد:

یہ اس تحریری مناظرے کی روئداد ہے' جو مولانا ثناء اللہ اور پادری عبدالحق کے درمیان توحید و تثلیث کے مسئلہ پر ہوا تھا' اس مناظرے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ پادری عبدالحق نے مولانا کے دلائل پر تنگ آ کر برملا کہہ دیا تھا کہ ''کون کمبخت الوہیت مسیح کا قائل ہے۔''

اسلام اور مسیحیت:

یہ کتاب عیسائیوں کی تین کتب توضیح البیان فی اصول القرآن' مسیحیت کی عالم گیری اور دین فطرت سلام ہے یا مسیحیت کا نہایت عالمانہ و فاضلانہ تحقیقی جواب ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ اسلام پر بہت بڑا حملہ تھا' جس کا مولانا نے اپنی علمی صلاحیتوں سے خوبصورتی سے دفاع کیا۔ اسلام اور مسیحیت کی ابتداء میں مولانا لکھتے ہیں کہ میں اپنے دلی خیال کا ظہار کرتا ہوں کہ اپنی جملہ تصانیف میں سے دو کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ یقین ہے کہ اللہ ان کو میری نجات کا ذریعہ بنائے گا' ان میں سے ایک کتاب مقدس رسول ﷺ ہے جو رنگیلا رسول کے جواب میں ہے اور دوسری کتاب یہی اسلام اور مسیحیت ہے۔ پہلی کتاب میں' میں نے بتوفیقہٖ تعالیٰ ذات رسالت مآب ﷺ کا دفاع کیا ہے اور دوسری میں اسلام اور قرآن مجید سے مدافعت کی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں ع

روز قیامت ہر کسے در دست گیر د نامہ
من نیز حاضر مے شوم تائید قرآن در بغل

تفسیر سورۃ یوسف اور تحریفات بائبل:

اس کتاب میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عیسائی پادریوں نے ہر دور میں بائبل میں تحریفات کی ہیں اور مولانا نے اس کا ثبوت بائبل کے مختلف ایڈیشنوں سے دیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۴ء میں طبع ہوئی۔ (ماخوذ تذکرہ ابوالوفا از عبدالرشید عراقی)

آریہ کے جواب میں لکھی گئی کتب:

یہود ونصاریٰ کی طرح ہندو بھی شروع دن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے در پے آزار رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، پہلے بھی وہ اسلام کے خلاف زبان وقلم سے وار کرتے تھے اور اب بھی وہ اپنے خبث باطن کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے۔ جن دنوں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ عیسائیوں، قادیانیوں اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف علمی وقلمی میدان میں نبرد آزما تھے تو ایسے میں آریہ سماج کے منہ پھٹ مصنفوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن سے متعلق زبان وقلم سے حملے کرنا شروع کئے۔

مولانا خم ٹھوک کران کے سامنے آگئے اور انہوں نے آریہ دھرمیوں کو دندان شکن جواب دے کران کی بولتی بند کردی۔ آریہ کے رد میں مولانا محترم نے بڑی وقیع تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ جس سے مولانا کی اسلامی غیرت وحمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا کے پیش نگاہ اسلام کا دفاع اور پیغمبر اعظم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت تھا۔

حق پرکاش:

یہ کتاب سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب ''سیتارتھ پرکاش'' کے ۱۴ویں باب کا جواب ہے جس میں سوامی جی نے قرآن مجید پر ۱۵۹۔ اعتراضات کئے تھے، مولانا محترم نے ان اعتراضات کے نہایت عالمانہ جواب دے کر جہاں اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا ہے، وہیں سوامی جی کی غلط بیانیوں اور اسلامی تعلیم سے عدم واقفیت کی بھی قلعی کھول کر رکھ دی ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۰ء میں طبع ہوئی۔

کتاب الرحمٰن:

اس کتاب میں پنڈت دھرم بکھشو کی کتاب بنام ''کتاب اللہ وید ہے یا قرآن'' کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

ترکِ اسلام:

غازی محمود دھرم پال بیسویں صدی کی ابتدا میں برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم نام تھا، وہ ۱۹۰۳ء

میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے اور انہوں نے ایک زہریلی کتاب ”ترک اسلام“ لکھی جس سے مسلم حلقوں میں بے چینی سی پائی جانے لگی' مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کا جواب ”تُرکِ اسلام“ (اسلام کا سپاہی) دیا جسے پڑھ کر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دھرم پال کے دوبارہ مشرف بہ اسلام ہونے میں کسی حد تک اس کتاب کا بھی عمل دخل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں کہ ”میں سکول میں چھٹے درجے کا طالب علم تھا اور عمر گیارہ سال سے زائد نہ تھی' ایک ہندو لڑکے سے لے کر ترکِ اسلام کی دیکھ لی تھی اور اس پر تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی چنانچہ کچھ ہی دن بعد تُرک اسلام کی زیارت نصیب ہوگئی اور اس نے زخم پر ٹھنڈا مرہم رکھ دیا۔“ (معاصرین:۱۲۴) یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔

مقدس رسول ﷺ

یہ کتاب ایک گم نام آریہ کے بدنام رسالہ ”رنگیلا رسول“ کا بہت ہی خوبصورت جواب ہے جس میں بڑی متانت اور سنجیدگی سے رنگیلے مہاشہ کی دشنام طرازیوں کو طشت ازبام کر کے رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ ”مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ لکھ کر مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے اور اخبار وکیل امرتسر نے ۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اپنی اشاعت میں لکھا تھا کہ جس قدر رنگیلا رسول اشتعال انگیز' فحش اور دائرہ مذہب سے خارج ہے' اسی قدر مقدس رسول ﷺ علم' انتہائی تحمل' متانت اور شائستگی کو لئے ہوئے ہے۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس رسالے کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے۔“ تذکرہ ابوالوفاء:۸۹)

ردقادیانیت:

مرزائیت نے جب اس خطے میں اپنے زہریلے اثرات پھیلانے شروع کیے تو علمائے اہل حدیث نے جلدی اس کا سدباب کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ کے استفتاء پر شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی پر سب سے پہلا فتویٰ تکفیر جاری کیا اور پھر اس پر برصغیر کے نامور سینکڑوں علماء کے دستخط کروا کر مرزا قادیان کے کفر پر مہر ثبت کر دی۔ مرزائیت کے رد میں جس مردِ حق آگاہ نے سب سے زیادہ مناظرے کیے' کتب تصنیف کیں اور مرزا غلام

احمد کے چیلنج پر اس کے گھر جا کر اسے مناظرے کے لئے للکارا' اسے دنیا فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میری تصانیف جو قادیانیت کے متعلق ہیں' اس کی تفصیل لکھوں تو مناظرین کے ملالِ خاطر کا خطرہ ہے' اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک سے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار نہیں' ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں' قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے' جس کا ثبوت خود مرزا بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے' جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی اور جس کا عنوان تھا ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ۔''

اس کے شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے' وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے' مرزا صاحب نے لکھا ہے مولوی ثناء اللہ نے مجھے بدنام کیا' میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ' اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے' وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا ؏

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
ہم کو وہ خانہ خراب بہت یاد آیا

قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی' جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۳۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت کو نہیں پہنچ سکتے' میں نے کہا غالباً یہ آپ کا حسن ظن ہے۔

مولانا محترم نے قادیانیت کے رد میں جو کتب اور رسائل لکھے ہیں' ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: تاریخ مرزا' فیصلہ مرزا' الہامات مرزا' نکاح مرزا' نکاتِ مرزا' عجائبات مرزا' علم کلام مرزا' شہادت مرزا' چیستان مرزا' محمد قادیانی' بہاء اللہ اور مرزا' فاتح قادیان' فتح ربانی اور مباحثہ قادیانی' شاہ

انگلستان اور مرزا قادیان، مکالمہ احمدیہ، صحیفہ محبوبیہ، تحفہ احمدیہ اور بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر وغیرہ۔

دیگر موضوعات پر کتب:

علمائے احناف (بریلوی، دیوبندی) اور شیعہ حضرات سے بھی کبھی کبھار نوک جھونک ہو جاتی تھی، اس سلسلے میں ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں، فقہ اور فقیہ، علم اور الفقہ، تنقید تقلید، تقلید شخصی و سلفی، معقولات حنفیہ، حدیث نبوی اور تقلید شخصی، اہل حدیث کا مذہب، آمین، رفع الیدین، فاتحہ خلف الامام، فتوحات اہل حدیث، شمع توحید اور نور توحید وغیرہ۔

ان کتب کے علاوہ مولانا مرحوم نے یہ کتابیں بھی لکھیں۔ خصائل النبی ﷺ، اتباع رسول ﷺ، رسالت خلافت محمدیہ ﷺ، حیات مسنونہ، کلمہ طیبہ، قرآنی قاعدہ ثنائیہ، السلام علیکم، ہدایت الزوجین، شریعت و طریقت، رسوم اسلامیہ، اسلام اور برٹش لاء، الفوز العظیم، ادب المفرد، التعریفات النحویہ، ثنائی پاکٹ بک اور اربعین ثنائیہ وغیرہ۔

صحافتی خدمات:

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ بلند پایہ صحافی، مبصر نقاد اور ایڈیٹر بھی تھے۔ آپ نے مختلف ادوار میں چار رسائل جاری کیے اور صحافتی دنیا میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

سب سے پہلے آپ نے ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو ہفت روزہ اہل حدیث جاری کیا جو ہر جمعے کو باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا، جسے مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا، اس رسالے کے موضوع تھے، عیسائی مشن، آریہ مشن، قادیانی مشن، شیعہ مشن، بریلوی مشن اور اس کے علاوہ مختلف مذاہب پر بحث ہوتی تھی، ملکی اور غیر ملکی اہم خبروں پر بھی ہلکا پھلکا تبصرہ کر کے شائع کیا جاتا تھا، رسالے کے بیشتر مضامین اور اداریہ مولانا خود لکھتے تھے جو اپنے موضوع پر بڑا جامع ہوتا۔

غرضیکہ رسالہ متنوع مضامین کا دلچسپ مجموعہ تھا، یکم اگست ۱۹۴۷ء کو اس کا آخری شمارہ شائع ہوا اور اس لحاظ سے یہ رسالہ ۴۴ سال مطلع صحافت پر نمودار رہا۔ اس عرصے میں ایک بار گورنمنٹ نے اخبار اہل حدیث کی ضمانت طلب کی تو مولانا مرحوم نے اس کی جگہ ''مخزن ثنائی'' اور ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے شمارے شائع کیے۔ مئی ۱۹۰۸ء میں انہوں نے ایک رسالہ ''مسلمان'' جاری کیا، جو کچھ عرصہ تک شائع ہوتا رہا جب کہ ایک رسالہ ''مرقع قادیانی'' نکلا جس میں مرزائیت کے

رد میں مضامین شائع ہوتے تھے اور یہ رسالہ مرزا قادیانی کی موت کے بعد ۱۹۰۸ء تک جاری رہا۔
مولانا مرحوم نے ثنائی اخبارات کس جذبے سے جاری کئے تھے اور انہوں نے ان کے ذریعے کس طرح دینی خدمت سرانجام دی' اس لئے مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ہی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں:

"جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روزمرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف وتالیف کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار "اہل حدیث" جاری کیا گیا جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے اور ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔" (اخبار اہل حدیث ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

فتاویٰ ثنائیہ:

مولانا ثناء اللہ مرحوم کو فقہ اور فقہی مسائل میں بڑا ادراک حاصل تھا' انہوں نے اپنے اخبار اہل حدیث میں فقہ وفتاویٰ کے لئے مستقل صفحات مختص کر رکھے تھے۔ مولانا کے چوالیس سالہ فتاویٰ کا انتخاب ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات دسمبر ۱۹۸۱ء) نے محنت شاقہ سے مرتب کر کے فتاویٰ ثنائیہ کے نام سے ۲ جلدوں میں ۱۹۵۴ء میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ فتاویٰ ثنائیہ میں انسانی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مختصر اور جامع ہوتا تھا' وہ اختصار کے ساتھ مسئلے کی جزئیات تک بیان کر جاتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر مولانا شرف الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۹۶۱ء) نے بڑے مفید حواشی سپرد قلم کئے ہیں۔ جس سے ان فتاویٰ کی اہمیت وافادیت اور بھی دو چند ہو گئی ہے۔

مناظرے:

مولانا ثناء اللہ امرتسری ذہین وفطین' حاضر جواب اور برجستہ گو مناظر تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں ان جیسا مناظر پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مرزائیوں' عیسائیوں' آریوں' بریلویوں' حنفیوں اور شیعوں سے ایک ہزار سے اوپر کامیاب مناظرے کئے۔ آریہ کے خلاف ان کا مناظرہ دیوریا' مناظرہ نگینہ بجنور' مناظرہ جبلپور' مناظرہ گوشت خوری لاہور' مناظرہ ویلم مظفر نگر یوپی' مناظرہ خورجہ بلند شہر' مناظرہ حیدر آباد سندھ اور مناظرہ دینا گر ضلع گورداسپور وغیرہ۔
عیسائیوں سے مناظرہ لاہور ۱۹۱۰ء' مناظرہ ہوشیار پور ۱۹۱۶ء' مناظرہ گوجرانوالہ فروری

۱۹۲۶ء اور مناظرہ الہ آباد ۱۹۳۵ء وغیرہ۔

جبکہ شیعہ اور منکرین حدیث سے مناظرۂ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب اپریل ۱۹۴۱ء' مناظرۂ لاہور ۱۹۲۰ میں مسئلہ وراثت اور باغ فدک' منصور پور ضلع ہوشیار پور میں ۱۹۲۴ء میں مناظرۂ خلافت اصحاب ثلاثہ' ستمبر ۱۹۳۱ء میں بھی مناظرہ بھڑی شاہ رحمان وزیر آباد پنجاب' امرتسر میں مولوی خیر محمد جالندھری حنفی اور مولوی عبدالصمد سے لاہور میں مولوی حشمت علی' مولانا کرم دین سے فاتحہ خلف الامام' حاضر ناظر' علم الغیب اور تقلید شخصی پر کامیاب مناظرے ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی بیسوں مناظرے احناف کے دیوبندی اور بریلوی علماء سے مختلف علاقوں میں ہوئے' جن میں مولانا کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ مناظرے اور بحثیں قادیانیوں کے خلاف ہوئیں۔

اس میدان میں مولانا مرحوم اس قدر پر جوش اور سرگرم تھے کہ وہ مرزا قادیانی کے چیلنج پر ۱۹۰۲ء میں قادیان پہنچ گئے اور مرزے کو زچ کر دیا تھا' اسی باعث مولانا کو قوم نے فاتح قادیان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

مولانا ثناء اللہ مناظرے میں خوب چہکتے تھے اور مخالف کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے' ان کے دلائل کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی کہ مخالف مناظر لمحوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا۔

اردو زبان وادب کے نامور ادیب ومصنف اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک جگہ معروف نامور آریہ سماجی مناظر نے شروع ہی میں خم ٹھونک کر کہہ دیا کہ "آپ مسلمان ہی کب ہیں' جو اسلام کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہیں' یہ دیکھئے! مسلمان علماء کے فتوے یہ سب آپ کی تکفیر میں ہیں' یہ کہا اور میز پر فتوؤں کا ڈھیر لگا دیا' مولانا صبر کے ساتھ اپنی تکفیر کا ڈھنڈورا سنتے رہے اور جب وہ کہہ چکا تو مولانا کڑک کر بولے اچھا صاحب میں اب مسلمان ہوتا ہوں اور آپ سب مسلمان گواہ رہیں کہ میں سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله." فرمایئے اب تو کوئی عذر باقی نہ رہا۔ مسلمان باغ باغ ہو گئے اور آریہ مناظر سے جواب نہ بن پڑا اور مولانا نے اپنا کام چلتا لیا۔ (معاصرین: ۱۵۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری جوابی اور برجستہ گوئی کے چند واقعات نقل کر دیئے جائیں۔

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ سیرت ثنائی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی سکھ لیڈر نے آپ سے پوچھا: ''مولانا! بھیڑ اور سور کی شکل وشباہت قریباً ایک جیسی ہے' پھر آپ بھیڑ کیوں کھاتے ہیں اور سور سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟''

یہ سنتے ہی حضرت نے قہقہہ لگایا اور فرمایا سردار صاحب آپ نے سوال تو بڑا ٹیڑھا کیا ہے' مگر یہ تو کہیے کہ جب آپ بیوی میں اور بہن یا بہو بیٹی میں پوری مشابہت کرتے ہیں تو پھر بیوی کو کیوں حلال سمجھتے ہیں؟ اور ماں بہن بہو بیٹی کو کیوں حرام جانتے ہیں؟ سنیے! اسلام نے ہمیں بھیڑ کی حلت اور سور کی حرمت کا حکم دے دیا ہے لیکن آپ کے مذہب میں تو یہ صراحت بھی نہیں کہ فلاں کو بیوی بناؤ اور فلاں کو نہ بناؤ' سکھ نے یہ جواب سنا تو عرق ندامت کو پونچھتا ہوا چل دیا۔

ایک بار ایک عیسائی مناظر نے دوران مناظرہ یہ کہا کہ اگر تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے اتنے ہی مقبول ومحبوب تھے تو اپنے لخت جگر حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید ہوتے دیکھ کر کیوں اللہ سے سفارش نہ کی اور کیوں اسے بچا نہ لیا؟

مولانا مرحوم نے بڑی متانت سے فرمایا بھائی کہا تو تھا مگر اللہ میاں نے جواب دیا کہ میرے حبیب میں کیا کروں میں تو خود اس فکر میں ہوں کہ ظالم عیسائیوں نے میرے اکلوتے بیٹے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ حسین رضی اللہ عنہ تو پھر بھی تیرا نواسہ ہے۔ یہ جواب سن کر عیسائی مناظر بہت شرمندہ ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مولانا مرحوم مزید فرمانے لگے پادری صاحب کچھ علم اور عقل کی باتیں کریں' یہ آپ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ (صفحہ ۱۵۹)

ایک بار لاہور میں ایک آریہ مناظر نے بحث کرتے ہوئے طنزاً یہ بات کہ گوشت خوری سے شہوت بڑھتی ہے اور مسلمان چونکہ شہوت پرست ہیں' اس لئے گوشت کھاتے ہیں۔

مولانا نے یہ اعتراض سن کر اس مناظر کو آڑے ہاتھوں لیا' فرمانے لگے پنڈت جی! کچھ سوچ سمجھ کر بولو! مسلمان شہوت پرست ہیں یا آپ---؟ گوشت خور شہوت پرست ہوتا ہے یا دال خور؟ دیکھو شیر گوشت خور جانور ہے مگر اپنی مادہ کے پاس صرف ایک ہی بار جاتا ہے لیکن

چڑے چڑیا کو آپ نے دیکھا ہو گا دال خور ہیں مگر کتنے شہوت ران ہیں' مرغ مرغی بھی گوشت خور نہیں ہے' آپ کی طرح دال خور ہیں مگر کتنے شہوت پرست ہیں' ابھی مولانا اس طرح کی کچھ اور مثالیں دینا چاہتے تھے کہ پنڈت جی نادم ہو کر بول اٹھے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ (سیرت ثنائی: صفحہ ۱۷۰)

مولانا خادم سوہدری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ سب علماء کرام نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے مگر مولانا ثناء اللہ نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا' نہ اسے کافر کہا ہے۔ مولانا عبدالغنی صاحب خانپوری کا بیان ہے کہ میں یہی اعتراض ذہن میں لے کر مولانا ثناء اللہ صاحب کے پاس پہنچا اور اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا بھئی! میں تو مرزا قادیانی کو کافر کہنا لفظ کفر کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ (سیرت ثنائی صفحہ ۱۷۰)

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی' برجستہ گوئی' مناظروں کی روئداد اور قادیانیوں کے خلاف تفصیلات کو سیرت ثنائی اور فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ شیریں مقال اور خوش گفتار واعظ تھے' وہ دعوت و تبلیغ کے لیے برصغیر کے دور دراز علاقوں میں بھی جاتے تھے اور اپنی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی ارشاد فرماتے' اس کے علاوہ اپنی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن ارشاد فرماتے اور دوران درس ان کے ہاتھ میں لمبی سی چھڑی ہوتی تھی۔ اگر کسی کو اونگھ آجاتی تو وہ اس سے ہلکا سا چوکا دیتے۔ ان کے دروس اور خطبات جمعہ میں غیر مسلم بھی شریک ہوتے تھے' وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے اور توجہ سے مولانا صاحب کے افکار عالیہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

انہیں کوئی بات پوچھنا ہوتی تو وہ بلا جھجک درس یا خطبہ جمعہ کے بعد پوچھتے اور مولانا بڑی متانت خلوص اور توجہ سے ان کے سوالات کے جواب دیتے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اونچے مقام و مرتبے کے حامل عالم دین تھے اور برصغیر کے مذہبی اور سیاسی حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں کانپور کے جس اجلاس میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا قیام عمل میں آیا تھا' اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی شامل تھے اور انہیں ندوہ کی کمیٹی میں شامل کیا گیا تھا اور اس کمیٹی کے یہ سب سے کم عمر رکن تھے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا' اس کے محرک اول بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے' سیاسی اعتبار سے آپ پہلے کانگرس اور پھر مسلم لیگ کے حامی رہے ۱۹۱۹ء جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا تھا جس کے صدر مجلس استقبالیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے اور انہوں نے اس موقع پر بڑا فصیح و بلیغ اور علمی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ (چالیس علمائے اہل حدیث: صفحہ ۱۹۲)

جماعتی خدمات:

مولانا مرحوم اس خطہ میں دین اسلام کے بہت بڑے داعی' اسلام کے ترجمان اور جماعت اہل حدیث کے حدی خان تھے' انہوں نے جماعت اہل حدیث کی شیرازہ بندی اور تعمیر و ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۹۰۶ء میں آرہ میں علمائے اہل حدیث کا ایک اجلاس ہوا' مولانا مرحوم بھی شریک مجلس تھے اور اس اجلاس میں پر ہندوستان میں جماعتی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور آخر کافی بحث و تمحیص کے بعد ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا عبداللہ غازی پوری کو کانفرنس کا صدر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ تشکیل کانفرنس کے بعد حسب قرارداد مولانا ثناء اللہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ کی سرکردگی میں اس وفد نے ملک کے طول و عرض میں تبلیغی و تنظیمی دورے کیے۔ اہل حدیث احباب کو جماعتی تنظیم کی اہمیت سے آگاہ کیا اور اہل حدیث انجمنوں کے قیام کی تحریک دی پھر دیکھتے ہی دیکھتے میں اہل حدیث انجمنوں کا جال بچھ گیا۔

اخلاق و کردار:

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے بے پناہ اوصاف و کمالات سے بہرہ مند فرمایا تھا' وہ شگفتہ تحریریں لکھتے' میٹھی زبان بولتے' بڑے زندہ دل' شگفتہ مزاج' باغ و بہار اور مرنجامرنج طبیعت کے انسان تھے' مہمان نوازی میں مثالی اور اخلاق و کردار میں عالی تھے' وہ چھوٹوں پر شفقت فرماتے' بڑوں کا ادب کرتے اور ہم عصر علماء کی تکریم بجالاتے یعنی جس قدر ان کا علم وسیع تھا' اسی قدر ان کے ظرف میں بھی وسعت تھی۔

مسٹر عبدالغفور المعروف غازی محمود دھرم پال جو ۱۹۰۲ء میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے اور

۱۹۱۳ء کے لگ بھگ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۳۰ء) کے ان جوابات کو پڑھ کر جوانہوں نے غازی صاحب کے سوالات پر ان کو دیئے تھے' دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے' وہ اپنے اخبار ''اندر'' کی دسمبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے صفحہ ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ میری گزشتہ ایک سال کی بے ایذا زندگی نے میرے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں بھی میرے لئے اس قدر محبت پیدا کر دی ہے کہ جب ان کو میری بیماری کا حال معلوم ہوا تو وہ جوق در جوق میرے پاس آنے لگے اور ان میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام خاص کر قابل ذکر ہے۔

مولوی صاحب کے ساتھ تحریری دست پنجہ تو سالہا سال تک ہوتا رہا مگر روبرو ہونے کا غالباً یہ پہلا ہی موقع تھا' جس کو ایک مبارک موقع ہی سمجھنا چاہیے' خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہی نمودار ہوا ہو۔ مولوی صاحب فطرتاً خوش مذاق اصحاب میں سے ہیں' اس لئے سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں ایک طرف ''ترک اسلام'' اور تہذیب الاسلام'' بلکہ ''نخل اسلام'' کا مصنف بستر مرض پر پڑا ہو اور دوسری طرف ''تُرک اسلام'' اور تغلیب اسلام'' بلکہ ''تبرا اسلام'' کا مصنف اس کے سرہانے بیٹھا' اس کی تیمار داری کر رہا ہو وہاں اگر ملکوت السموت والارض بھی مسرت سے یہ شعر پڑھ رہے ہوں کہ ؏

شکر ایزد کہ میان من واو صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے پیشتر میرا یہ خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ جو احمدیہ فرقے کے ساتھ ملانوں (ملاؤں) جیسی فضول چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے' وہ ضرور کوئی ''کٹھ ملاں'' ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ باوجود ان کے کوشش کرنے کے میں کبھی ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن پہلی ہی ملاقات میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی ثناء اللہ ایک خوش مزاج' خوش مذاق' خوبصورت اور خوب سیرت جنٹل مین ہے اور قدرت نے اس کو ایک دلربا ادا دی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ابن یعقوب کو دیکھ کر مجھے اپنے دل کو تھامنے میں بڑی دقت پیش آئی' وہ ہر تیسرے روز امرتسر سے میری خبر لینے کے لئے لاہور پہنچتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کاروباری لحاظ سے بڑے آسودہ حال تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں

نے ثنائی برقی پریس لگایا جہاں ان کے رسائل و کتب بھی شائع ہوتے تھے اور دوسرے لوگوں کی چھپائی کا کام بھی کیا جاتا تھا' وہ بڑے فیاض، ہنس مکھ' خوش مزاج' خوش اطوار اور خوش گفتار تھے اور جس طرح ان کا ظاہر خوبصورت تھا؛ اسی طرح ان کا باطن بھی خوبصورت تھا۔

عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے' ان کا ادبی ذوق نہایت نکھرا ہوا تھا' اپنی تحریروں' مناظروں مباحثوں اور تقاریر میں برمحل ایسے اشعار پڑھتے اور علمی لطائف بیان کرتے کہ سامعین وفورِ مسرت سے جھوم اٹھتے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے ''بزم ارجمنداں'' میں مولانا کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری بہت ہی خوش مزاج اور خوش طبع بزرگ تھے' ایک دن حاجی محمد اسحٰق حنیف نے بتایا کہ امرتسر میں اہل حدیث کی نماز عید کے امام خلیفہ عبدالرحمٰن تھے' جو زیادہ پڑھے لکھے تو نہ تھے لیکن نہایت پرہیز گار اور متقی بزرگ تھے۔

عید کے موقع پر وہ پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے اور عورتوں کو مخاطب کرتے تو ''او عورتو! سنو او عورتو سنو'' کہا کرتے تھے' ایک دن نماز کے بعد عید گاہ سے نکلتے ہوئے چند جوانوں نے انہیں روک لیا اور کہا آپ او عورتو' او عورتو' کہا کرتے ہیں' اس کے بجائے ماں بہنو کہا کریں' خلیفہ صاحب بقول حاجی محمد اسحٰق حنیف بعض الفاظ دو مرتبہ کہا کرتے تھے' نوجوانوں کی بات سن کر بولے ''سیانے دی گل سیانی' سیانے دی گل سیانی'' میں آئندہ ماؤں بہنو! ہی کہا کروں گا۔ اتنے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری تشریف لائے اور نوجوانوں سے پوچھا خلیفہ صاحب سے کیا باتیں ہو رہی ہیں تو جو بات تھی تو وہ انہوں نے بیان کی تو اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بانداز مزاح فرمایا تو تم خلیفہ صاحب کو گمراہ کر رہے ہو' ان عورتوں میں ان کی بیوی بھی موجود ہوتی ہے یہ ان کو ماؤں بہنو کیسے کہیں گے اور اگر کفارہ دینا پڑے تو کون دے گا؟

خلیفہ صاحب فوراً بولے ''عالم دی گل توں میں سمجھ گیا جتھے بیوی ہووے او تھے ماؤں بہنو! نہیں کہنا چاہیدا--- عالم دی گل عالمانہ' عالم دی گل عالمانہ۔'' مولانا امرتسری مسکراتے ہوئے آگے نکل گئے۔

مولانا ثناء امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ چلتے چلتے ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ان کا زندگی کے آخری دور شروع ہوتا ہے' اس مرحلے پر انہیں کئی بڑے صدمات سے دو چار ہونا پڑا' تقسیم ملک

کے وقت ہندؤں اور سکھوں نے آپس میں ملی بھگت سے مسلمانوں کا کھلے بندوں قتل عام کیا' ان کی املاک کو لوٹا بھی اور برباد بھی کیا اور اس کی زد میں مولانا ثناء اللہ مرحوم بھی آ گئے۔ سب سے پہلے مولانا مرحوم کا بیٹا مولوی عطاء اللہ جو کہ محلے میں ناگفتہ بہ حالات کے باعث حفاظت پر مامور تھا' اس نے سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا' بوڑھے والد کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا ابھی اس کا زخم تازہ ہی تھا کہ بلوائیوں نے مولانا کے کتب خانے کو نذر آتش کر دیا' اور جب آپ بے سروسامانی کے حالات میں اپنے اہل خانہ کو لے کر پاکستان کو روانہ ہوئے تو اس وقت ان کی جیب میں صرف پچاس روپے تھے۔

قارئین اندازہ کریں اس شخص پر کیا بیت رہی ہوگی جس کا تمام کاروبار تباہ ہو گیا' بیٹا بلوائیوں کے ہاتھوں موت کی آغوش میں جا سویا' ہزاروں روپیہ اور طلائی زیورات امرتسر میں ہی رہ گئے اور جس آدمی کا شمار امرتسر کے رؤسا میں ہوتا تھا' وہ اب تہی دست تھا اور اس سب کے باوجود وہ اللہ کی رضا پر راضی تھے۔

مولانا سب سے پہلے لاہور آئے' پھر گوجرانوالہ چلے گئے' چند ماہ وہاں قیام کر پائے تھے کہ ان کو ضلع سرگودھا میں پریس الاٹ ہو گیا چنانچہ پھر انہوں نے سرگودھا میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی زندگی کی ابتدا بھی نامساعد حالات اور عسرت سے شروع ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی اسی پر ہوا۔

لیکن زندگی کی ان نیرنگیوں کے باوجود نہ تو انہوں نے کسی کے آگے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی جھوٹے کلیم داخل کئے' ہمیشہ اپنے مقام و مرتبے کو بلند رکھا' احباب نے اگر مجبور کر کے انہیں کچھ دینے کی کوشش بھی کی تو مولانا نے اسے مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ وہ انتہائی متین و متدین' متقی اور تقویٰ شعار انسان تھے اور مشتبہ چیزوں سے دامن کشاں رہتے تھے۔ مولانا مرحوم نے سرگودھا میں قیام پذیر ہو کر نئے عزم و ہمت سے دعوت دین کی شمع کو روشن کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اخبار اہل حدیث کو شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہی تھا کہ ان کی زندگی کی شام ہو گئی اور پے در پے صدمات اور عظیم کتب خانے کی تباہی نے ان کو جسمانی طور پر رنجیدہ و کمزور کر دیا تھا۔

فروری ۱۹۴۸ء میں ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا' علاج معالجہ کے بعد ان کی صحت کچھ بہتر تو ہو گئی مگر آخر ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کی صبح فرشتہ اجل پروانہ موت لے کر حاضر ہوا اور مولانا زندگی کی ۸۰

بہاریں بھرپور طریقے سے گزار کر فردوس بریں کو روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ ہی برصغیر کی علمی، ادبی اور مذہبی تاریخ کے ایک زریں دور کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات پر برصغیر کے اخبارات و رسائل اور مشاہیر نے انہیں خراج تحسین پیش کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان سے کچھ اقتباسات نقل کر دیئے جائیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے مہتمم مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (رحمہ اللہ) (وفات ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں اگر پوری دنیا کے اکابر علماء کسی ایک علمی مجلس میں ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، قادیانیوں، ملحدوں، شیعوں، منکرین حدیث اور بریلویوں غرض ہر فرقہ سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی؟ مجھے نہیں معلوم لیکن پاکستان، ہندوستان، برما، لنکا، جزائر جاوا و سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہوگی اور اسی ہستی کا نام ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔ (ندائے مدینہ کانپور شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴، طبع ۱۹۴۹ء)

زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے لکھا مولانا ثناء اللہ کی وفات حسرت آیات سے دنیا سے حاضر جوابی ختم ہو گئی۔

اگر رات کو کوئی فرقہ اسلام کے خلاف پیدا ہو جائے تو مولانا ثناء اللہ صبح اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ (امام العصر حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی)

وہ عالم تھا محدث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی مجدد تھا زمانے کا

(مولانا نور حسین گرجاکھی)

آپ کو اگر خاتم المناظرین بھی کہہ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔

حضرت ابوالوفاء کی کتاب زندگی کے اوراق ملک کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ (امام خان نوشہروی)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، ان کے حملے کو روکنے

کے لئے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے اپنی عمر بسر کر دی' مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے' زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا' اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی (مولانا ثناء اللہ) ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین (سید سلیمان ندوی یادرفتگاں صفحہ ۳۷۲)

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے لیل و نہار کی جو انہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت اور مسلک اہل حدیث کے فروغ میں بسر کئے' یہی وجہ ہے کہ ان کے نام اور کام سے آج ایک دنیا آگاہ ہے۔ جس طرح ان کی دینی' تبلیغی' تصنیفی اور اسلام کے دفاع کے لئے مناظرانہ سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہے تو اسی طرح ان کی حسنات کی فہرست بھی طویل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

محمد رمضان سلفی

فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن اوّلیں

الحمد لله الذی أنزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا۔ فأکمل به دینه واتم به نعمته وانقذ به من حفرة النار من کان علی شفا۔ والصلاة والسلام علی أفضل الخلیفة محمد الذی بعثه إلی الخلق أجمعین فأنهی به الرسل وختم به الأنبیاء۔ وهدی به من الضلالة وبصربه من العمی وفتح به أعینا عیا وآذانا صما وقلوبا غلفا۔ ثم ورث علیه من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین، وأولئك لهم الدرجات العلی۔ وجعل من رواد الدجاله وأشیاعه من ادعی النبوة والرسالة بعده، وأولئك هم الأشقیاء۔ أما بعد :

پیش نظر کتاب کا موضوع مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے ان کارناموں اور خدمات کا تعارف ہے جو موجودہ صدی میں ملت اسلامیہ کے خلاف اٹھنے والی خطرناک ترین تحریک، قادیانیت کے ردوابطال میں آپ نے انجام دی تھیں۔ قادیانی تحریک کیا ہے؟ اس کے ظاہری خدوخال کیا ہے؟ اور پس پردہ حقائق کیا ہیں؟ اس کی بھرپور اور مدلل تفصیلات خود قادیانی حوالوں کے ذریعہ ہم نے ایک علیحدہ تصنیف میں پیش کر دی ہیں۔ یہاں اصل موضوع سے پہلے ان کا صرف ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مولانا کی خدمات کا پس منظر اور ان کی صحیح نوعیت واہمیت سمجھی جا سکے۔

قادیانیت کے باوا آدم مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ جن کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ [1] موصوف بچپن میں چڑیاں پھنسانے کے شوقین تھے۔ [2] دیگر کھیل کود سے بھی دلچسپی

---

[1] کتاب البریہ......وروحانی خزائن...... [2] سیرۃ المھدی ص ۳۶ ج۱

رکھتے تھے۔ ضدی مزاج تھے۔ بچپن ہی میں تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔ تقریباً بیس سال کی عمر تک تحصیل عمر کیا۔ ۱۸۶۴ء میں اپنے والد کی پنشن کی ایک بھاری رقم لے کر فرار ہو گئے (سیرۃ المھدی ص ۴۴، ج ۱) اور پندرہ روپیہ ماہوار پر سیالکوٹ کچہری میں ملازمت اختیار کر لی چار سال بعد ۱۸۶۸ء میں مختاری کے امتحان میں بیٹھے لیکن فیل ہو گئے۔ اس ''حادثہ ناکامی'' سے بددل ہو کر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور وطن واپس آ گئے۔ یہاں زمینداری اور مقدمہ بازی کے شغل میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد ۱۸۷۷ء میں مذہبی اسٹیج پر نمودار ہوئے اور ایک مناظر اسلام کے روپ میں اسلام کی پرزور اور جذباتی وکالت کر کے عام مسلمانوں کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیا۔ اسی دوران آپ نے تصوف کا روپ دھار کر مختلف حکمتوں اور تدبیروں سے خلق اللہ پر اپنی بزرگی وخدا رسیدگی کا سکہ بھی بٹھانا شروع کیا۔ پنجاب کی زمین اس مقصد کے لیے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ چند برسوں میں آپ کا ایک وسیع حلقہ ارادت تیار ہو گیا۔ اب آپ نے پر پرزے نکالنے شروع کیے۔ اور ۱۸۸۴ء تک اپنے آپ کو مامور من اللہ، مجدد وقت اور اللہ کا الہام یافتہ قرار دیتے ہوئے مختلف نوع کے بہت سارے الہامات شائع کر دیے۔ یہی موقع تھا جب پہلی بار علمائے اسلام چونکے۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ مرزا صاحب اپنی ان کارروائیوں کے ذریعہ نبی بننے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے ان کے اس قسم کے اندیشوں کی بڑی سختی کے ساتھ نفی کی۔ موصوف نے ختم نبوت کے عقیدہ پر بڑی پختگی کے ساتھ اپنے اٹل یقین کا اظہار کیا۔ اور اسے تسلیم نہ کرنے کو کفر قرار دے کر لوگوں کو تقریباً مطمئن کر دیا۔

اس کے بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں مرزا صاحب نے اپنے دام افتادگان سے ایک دس نکاتی شرائط نامہ پر بیعت لے کر ایک باقاعدہ تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس تنظیم کو محکم بنیادوں پر استوار کر لینے کے بعد جنوری ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک پانچ نکاتی منصوبہ بھی شائع کیا جس کا مقصد تنظیم کے افراد کے درمیان باہمی ربط والی نظام اور ''تبلیغی کوششوں'' کو مزید وسعت اور استحکام دینا تھا۔ پھر ۱۸۹۴ء میں آپ نے اپنے مہدی موعود ہونے کا بھی باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اور آخر کار ۱۹۰۱ء میں نبوت ورسالت کا دعویٰ کر بیٹھے جس پر مرتے دم تک قائم رہے۔

مرزا صاحب کے دعوے ان ہی دائروں میں محدود نہ تھے۔ بلکہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف خدائی صفات کے بھی دعوے کیے۔ کبھی دعویٰ کیا کہ مجھے مارنے اور جلانے کی قدرت دی گئی ہے۔ کبھی کہا کہ میں نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں۔ کبھی ارشاد ہوا کہ میں تقدیر کا لکھنے والا ہوں۔ اور کبھی دوٹوک لفظوں میں فرمایا کہ میں بعینہٖ خدا ہوں۔ حد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ابن مریم ثابت کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ دو سال تک آپ پر نسوانی کیفیت یعنی صفت مریمیت طاری رہی۔ اس دوران آپ کو حیض بھی آیا۔ پردے میں نشوونما ہوئی۔ اللہ سے ایک نہانی تعلق قائم ہوا۔ یعنی اللہ نے آپ کے ساتھ رجولیت کا اظہار فرمایا۔ اس تصرف سے آپ حاملہ ہوئے۔ اور پھر اپنے حمل سے آپ خود ہی پیدا ہو کر ابن مریم ہو گئے۔

ان دعوؤں کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ اور جداگانہ امت بنانے کی تیاریاں بھی کرتے رہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ انہوں نے اور ان کی امت کے اکابر نے اپنا اللہ، رسول، کتاب، شریعت، عبادات، قانون، مناکحت، دین اور شعائر دین، مقامات مقدسہ تاریخی شخصیتیں، تقویم وکلنڈر، جنت ودوزخ اور سزا وجزا کا معیار سب کچھ مسلمانوں سے الگ کرلیا۔ اور وہ ہر حیثیت سے ایک جداگانہ امت بن گئے۔

اس پورے عرصہ میں علماء اسلام کے ساتھ تصادم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تاہم مرزا صاحب اپنے شعبدوں اور چلتر بازیوں کی بنیاد پر اپنے دام افتادوں کو اپنے پنجہ حیلہ دفن کے اندر جکڑے رہنے میں خاصے کامیاب رہے۔ مخالفین میں سے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کا وار مرزا صاحب کے لیے سب سے زیادہ پرخطر اور صبر آزما ہوا کرتا تھا۔ اس لیے مرزا صاحب نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک طولانی اشتہار شائع کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا صاحب اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جائے گا۔ اس اشتہار کے مطابق مرزا صاحب ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال کر گئے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ اس کے بعد کوئی چالیس برس (مارچ ۱۹۴۸ء) تک زندہ رہے۔

مرزا صاحب کی تحریک جہاں اپنے ظاہری رخ کے لحاظ سے محض ایک مذہبی تحریک تھی۔ وہیں اپنی خفیہ سرگرمیوں اور بنیادی مقاصد کے لحاظ سے ایک خطرناک سیاسی تحریک تھی۔ یہ وہ

دور تھا جب برطانوی استعمار، عالم اسلام کے ایک بہت بڑے حصے پر مضبوطی کے ساتھ اپنا پنجہ گاڑ چکا تھا۔ اور بچے کھچے عالم اسلام کو اپنا پنجہ اقتدار میں جکڑنے کے لیے طرح طرح کی سازشوں کے تانے بانے تیار کر رہا تھا۔ لیکن ابھی مسلم حلقوں سے جہاد کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ یورپ کا ''مرد بیمار'' ترکی نئی طاقت وتوانائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سامراج کے زیر اقتدار مسلم ریاستوں میں آئے دن بغاوت کے لاوے پھوٹ رہے تھے، اور نہتے باغیوں کی مثالی جرأت وشجاعت اور بے نظیر فوجی کارناموں پر بڑے بڑے جرنیل اور کرنل انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ ان کے جوش جہاد اور شوق شہادت کے لیے یہ تصور آگ پر تیل کا کام دے رہا تھا کہ ظہور مہدی اور نزول مسیح کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر انگریزوں کو اپنی جرأت وشجاعت اور فوجی حکمت عملی کے بجائے اپنی عیاری ومکاری اور روباہی وچالبازی پر زیادہ بھروسہ کرنا پڑ رہا تھا اور اس مقصد کے لیے انہیں مختلف قوموں کے مقابلے میں خود انہیں قوموں کے افراد آلہ کار کی حیثیت سے مطلوب تھے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے مقابل میں انہوں نے اپنے لیے جس آلۂ کار کا انتخاب کیا تھا وہ تھے مرزا قادیانی اور احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو زبردست حرامکاری اور گناہ کبیرہ بتلایا۔ کسی جنگجو اور فاتح مہدی اور مسیح کی آمد کے تصور اور انتظار کو دماغی فتور قرار دیا۔ انگریزوں کی وفاداری وحمایت کو فریضہ شرعی ٹھہرایا اور ان مقاصد کی اشاعت کے لیے اس قدر لٹریچر شائع کیے جن سے ...... بقول ان کے...... پچاس الماریاں پر ہو سکتی تھیں۔ پھر اپنی ان مساعی کو ہندوستان کی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے عراق وعرب اور روم ومصر وشام تک پہنچا دیا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو انگریزوں کے لیے ہموار کر دیا اور اسی دوران اپنے پیروکاروں کو انگریزی گورنمنٹ کی ایسی جاں نثار فوج بنا دیا جس کا ظاہر وباطن جذبہ خیر خواہی ووفاداری سے ابھرا ہوا تھا۔

مرزا صاحب نے مسلمانوں کے خلاف جاسوسیاں کیں اور جذبہ ''بغاوت'' رکھنے والوں کی تفصیلات، رازہائے سربستہ کی طرح گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیں، دیگر مسلم ممالک میں بھی ان کے جاسوس سرگرم رہے۔ اسی جرم میں کابل کے اندر مرزا صاحب کی زندگی میں اور ان

کے بعد متعدد قادیانی سنگسار کیے گئے۔ ماریشیش کے مسلمانوں کے خلاف بھی ان کی ریشہ دوانیاں چلتی رہیں۔ جنگ عظیم اول کے دوران انگریزوں کو قادیانی امت مالی اور فوجی امداد دیتی رہی۔ پھر ان کی فتح اور عالم اسلام کے سقوط پر قادیان میں مثالی جشن منایا گیا۔ ہندوستان کی ہر سیاسی تحریک میں قادیانیوں نے مسلم دشمن موقف اختیار کیا۔ آزادی کے بعد پاکستان میں قادیانیوں نے فوج کے اندر اور باہر اپنا تسلط قائم رکھ کر وہاں کے عوام کو مسلسل اذیت پہنچائی۔ انہیں کچلنے اور ان کی حق تلفی کرتے رہے اور اپنے سامراجی آقاؤں کے اشارے پر ہمیشہ ایسے حالات برپا کرنے کے لیے کوشاں رہے جس سے ملک میں عدم استحکام بلکہ تباہی و بربادی اور شکست وریخت کی صورت رونما ہو۔ اور اس میں انہیں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ان کی سازش سے پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے پھر بچے ہوئے پاکستان پر قادیانی اقتدار مسلط کرنے کے لیے انہوں نے طرح طرح کی گھناؤنی سازشیں کیں۔ ہوائی فوج پر چھا گئے۔ بری اور بحری فوج کے کلیدی مناصب پر اپنے پنجے گاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس کے ساتھ ہی توڑ پھوڑ کا آغاز کر دیا۔ مسلمان چونکے اور ان کے عام مطالبے کے بعد پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانی عقائد کی مکمل تحقیق کر کے انہیں ۷ رستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

اسرائیل میں قادیانیوں کا ایک اہم مشن ہے جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں اسرائیل کی حمایت اور عربوں کی مخالفت میں متعدد اہم اقدامات کر چکا ہے۔ عالم اسلام کو ہر ممکن طریق سے نقصان پہنچانا اور کمزور کرنا قادیانیوں کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

یہ ہے قادیانیوں کی اصل تصویر، جس پر پردہ ڈال کر وہ بڑے معصومانہ انداز میں ناواقف مسلمانوں سے ملتے ہیں اور بہ سہولت شکار کر لیتے ہیں۔

چونکہ اپنی مستقل تصنیف میں ہم قادیانیت کی اس تصویر سے نقاب کشائی کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان ہی چند اشارات پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وباللہ التوفیق

صفی الرحمٰن الاعظمی یوم دوشنبہ

جامعہ سلفیہ۔ ریوڑی تالاب بنارس (یوپی)

۸ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ ۱۸/اپریل ۱۹۷۷ء

انتساب!

ملت اسلامیہ کی ان قد آور ہستیوں کے نام جنہوں نے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین کہتے ہوئے رزم گاہ حیات میں قدم رکھا۔ اور اپنے خون جگر سے کشت اسلام کی آبیاری کرتے ہوئے اس نغمہ لازوال کے ساتھ اپنا نقوش جاوداں ثبت کر گئے کہ۔

حاصل عمر نثارے سر یارے کردم
خوشم از زندگی خویش کہ کارے کردم

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

حیات اور نقوش حیات

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ماضی قریب کی ایک ایسی عظیم اور عبقری شخصیت تھے جن کی نظیر خال خال ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ آپ کو اللہ ذوالجلال نے علوم وفنون کے اندر گہری بصیرت، ژرف نگاہی، حزم وتدبر، مومنانہ فراست، دوراندیشی، معاملہ فہمی، جفاکشی، صبر وحلم، نرم گفتاری، شیریں کلامی، زورِ خطابت اور جولانی قلم کی بے پایاں خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے جوہر بے بہا سے بھی نہایت فیاضی کے ساتھ نوازا تھا جو آپ کو تمام ہمعصروں سے ممتاز کرتا تھا۔ اور یہ جوہر تھا شریعت مطہرہ کے حفظ ودفاع کے لیے اہل باطل کے پرفریب دلائل، دجل آمیز تحریفات اور جھوٹی اور غلط دعاوی کا ابطال واستیصال۔

پیدائش

آپ جون ۱۸۶۸ء (۱۲۸۷ھ) میں امرتسر کے اندر پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن ریاست کشمیر کے ضلع اسلام آباد (انت ناگ) کا علاقہ ڈور تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد خضر [1] تھا۔ وہ پشمینہ کے تاجر تھے۔ اور غالباً ۱۸۶۰ء سے امرتسر میں متوطن ہو گئے تھے۔

---

[1] الحدیث امرتسر ۱۴/ جون ۱۹۱۸ء ص ۱۳ پر مولانا کے والد کا نام محمد خضر ہی لکھا ہے۔ لیکن دیگر مآخذ ومقامات میں خضر جو لکھا ہوا ہے۔

خاندان

آپ کا خاندان کشمیری نسل برہمنوں کی ایک مشہور شاخ ''منٹو'' سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شاخ کشمیری پنڈتوں کی دوسری مشہور شاخ ''نہرو'' کی طرح عزت و احترام سے دیکھی جاتی تھی۔ کسی ذریعہ سے یقینی طور پر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ کے آباء اجداد میں سب سے پہلے کس شخص نے اسلام قبول کیا۔ اور کب کیا؟

یتیمی اور رفو گری

مولانا امرتسری رحمہ اللہ ابھی اپنی عمر کی ساتویں ہی منزل میں تھے کہ والد محترم کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا۔ تھوڑے دنوں بعد تایا محمد اکرم بھی گزر گئے۔ جو کسی حد تک والد مرحوم کی وفات سے پیدا شدہ خلا پر کر رہے تھے۔ اب غربت و افلاس اور مسکینی و تنگدستی کی جو فضا پیدا ہوئی اس میں اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا کہ آپ کو کسی نہ کسی کاروبار سے منسلک کر کے نان شبینہ کا انتظام کیا جائے۔ خیر سے آپ کے بڑے بھائی محمد ابراہیم [1] رفو گری کے فن سے واقف تھے انہوں نے آپ کو بھی اس فن سے روشناس کرا دیا۔ اور پھر آپ ہمہ طور اسی کام میں مصروف ہو گئے۔

والدہ کی وفات

مولانا اپنی حیات مستعار کی چودھویں منزل سے گزر رہے تھے کہ امیدوں اور آرزوؤں اور رحمتوں اور شفقتوں کا آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ یعنی آپ کی والدہ محترمہ کی وفات حسرت آیات کا دلفگار حادثہ پیش آیا۔ [2]

---

[1] مولانا فرماتے ہیں: والد مرحوم کی اولاد ہم (تین بھائی...... ابراہیم، صدیق، ثناء اللہ...... ایک بہن) چار کس تھے۔ دونوں بھائی بے اولاد فوت ہو گئے۔ بہن کی اولاد لڑکی ہے جو اب تک (یعنی اگست ۱۹۳۸ء تک جبکہ مولانا نے یہ تحریر لکھی تھی۔ ص) زندہ ہے اور اولاد در اولاد بھی کافی رکھتی ہے۔

[2] یہ معلومات مولانا کی خودنوشت سوانح حیات مسلکہ اسلام و برٹش ''مطبوعہ مکتبہ ثنائیہ سرگودھا ص ۷۵ اور سیرت ثنائی ص: ۶۹، ۷۰، ۷۶، ۷۷ سے ماخوذ ہیں۔

سبب تعلیم

اسی سال آپ حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھے کہ ایک عالم صاحب اپنا ایک گرم قیمتی چوغہ رفو کرانے لائے۔ آپ نے جب حسب وعدہ اسے رفو کر کے واپس دیا تو وہ صاحب آپ کی حسن کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر اور مسرور ہوئے اور دیر تک تعریف کرتے رہے۔ اسی اثناء میں کچھ باتیں چھڑ گئیں۔ انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کیے۔ آپ نے بالکل برجستہ اور نہایت معقول جوابات دیئے۔ وہ صاحب ششدر رہ گئے۔ اور دریافت کیا: صاحبزادے! تمہاری تعلیم کتنی ہے؟ یہ سوال سن کر آپ کے دل پر شوق میں ہنگامۂ محشر بپا ہو گیا۔ بے مائگی اور مجبوری کے احساس کی شدت سے آنکھوں میں حسرت والم کے آنسو امنڈ آئے۔ اور آپ نے بڑی بے کسی کے ساتھ جواب دیا کہ میری تعلیم کچھ بھی نہیں ہے۔ ان صاحب نے ایک قدرداں جوہر شناس کی طرح آپ کو مشورہ دیا کہ کوشش کرو! کامیاب رہو گے۔

اس گفتگو نے مولانا کے سمند شوق فراواں اور ذوق جستجوئے بے پایاں کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ اور آپ گرد و پیش کی زنجیریں توڑ کر منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو گئے یعنی آپ نے رفوگری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ گویا

ہے مشق سخن جاری ، چکی کی مصیبت بھی

درحقیقت قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مولانا کا گراں مایہ وجود لوگوں کے پھٹے ہوئے کپڑے رفو کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ جائے۔ بلکہ قدرت یہ چاہتی تھی کہ آپ کے سوزن حکمت سے ملت اسلامیہ کے دریدہ و چاک کردہ دامن رفو کرایا جائے۔ اس لیے فہم و دانائی کی منزل میں قدم رکھتے ہی علم و حکمت سے آراستہ ہونے کے اسباب بھی فراہم کر دیئے۔ ولما بلغ اشد اتینہ حکما و علما و کذالک نجزی المحسنین ۝

تعلیم اور رہ نوردی

آیئے! مولانا کے تحصیل علم کی روداد خود انہیں کی زبانی سنیں۔

آپ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

''چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا۔ اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا۔ ''شرح جامی'' اور ''قطبی'' تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث، استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ [1] پھر سہارنپور چند روز قیام کر کے (۱۳۰۷ھ ہی میں) دیوبند پہنچا۔ وہاں کتب درسیہ معقول ومنقول ہر قسم کی پڑھیں۔ کتب معقول میں قاضی مبارک، میر زاہد، امور عامہ صدرا، شمس بازغہ وغیرہ، اور منقولات میں ہدایہ، توضیح، مسلم الثبوت وغیرہ، ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں۔ اور دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درس حدیث اور اساتذہ دیوبند کا درس حدیث ان دونوں میں جو فرق ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا دیوبند کی سند امتحان میرے لیے باعث فخر میرے پاس موجود ہے۔'' [2]

مسرت آمیز واقعہ

ایک واقعہ ایسا مسرت آمیز ہے کہ میں اپنی عمر کی کسی حالت میں نہیں بھولا۔ اور نہ بھول سکتا ہوں۔ بلکہ جب معاصرین کے نرغے میں دل تنگ ہوتا ہوں تو وہ واقعہ مجھے فوراً دل شاد کر دیتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

---

[1] اہلحدیث ۲۳ر جنوری ۱۹۴۲ء کے شمارے میں مولانا نے لکھا ہے ''اثنائے قیام دیوبند ہی میں میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی مرحوم ومغفور کی خدمت میں حاضر ہو کر سند اجازت حاصل کر لی تھی۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب سے سند حاصل کرنے کا واقعہ پنجاب سے فراغت کے فوراً بعد کا نہیں ہے۔

[2] خودنوشت سوانح حیات ص: ۵۔۷، اہلحدیث امرتسر ۲۳ر جنوری ۱۹۴۲ء نور توحید ص: ۳۹، ۴۰۔

مدرسہ دیوبند میں ان دنوں حضرت مولانا محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ مدرس اعلیٰ تھے۔ درس کی ہر کتاب پڑھتے ہوئے میں بے باکانہ جرأت سے اعتراض کرتا۔ مولانا مرحوم کا بہت وقت خاص مجھ پر خرچ ہوتا۔ جب میں نے آخری [1] ملاقات کر کے رخصت چاہی تو فرمایا:

''طلبا تمہاری شکایتیں بہت کرتے تھے کہ پوچھنے میں وقت بہت ضائع کرتا ہے۔ ہم کہتے تھے کوئی طالب علم پوچھنے والا ہو تو پوچھے۔ اس کے سوالوں میں صحیح سوال ہوں یا غلط، کچھ پوچھے تو سہی۔ تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے جسے اللہ کچھ دیتا ہے اس کا حسد ہوتا ہے۔''

یہ سن کر میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور اس شعر کا مضمون زبان پر جاری ہوا ؎

دیدہ ام در غنچگی چندیں جفائے باغباں
بعد گل گشتن نمیدانم چہ گل خواہد شگفت [2]

اللہ جانے یہ فقرہ اپنے اندر کیا صداقت رکھتا تھا کہ طالب علمی کے بعد زمانہ بلوغت علمی میں اس کا وہ اثر دیکھا کہ صاحب درمختار کا یہ شعر ہمیشہ ورد زبان رہا ؎

هم يحسدوني وشر الناس كلهم
من عاش في الناس يوما غير محسود [3]

آخری درسگاہ کانپور میں

دیوبند سے مدرسہ فیض عام کانپور گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا اور مجھے بھی علوم معقول اور منقول سے خاص شغف تھا۔ اس لیے میں مدرسہ

---

[1] مولانا امرتسریؒ نے یہ ملاقات فراغت کے بعد دیوبند سے رخصت ہوتے ہوئے ۱۱۔۱۲ بجے دوپہر کے درمیان کی تھی۔ اس وقت مولانا محمود الحسن صاحب اپنی مسجد کی جنوبی دیوار کے ساتھ تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اسی موقع پر انہوں نے مولانا امرتسریؒ کی صلاحیت کی بابت اپنا وہ تاریخی تبصرہ ارشاد فرمایا تھا جسے مولانا نے نقل فرمایا ہے۔ دیکھیے اہلحدیث ۷ر نومبر ۱۹۲۴ء

[2] نور توحید، ص: ۴۰

[3] اہلحدیث امرتسر ۷ر نومبر ۱۹۲۴ء

فیض عام کانپور میں جا کر داخل ہو گیا۔ (کچھ شک نہیں مولانا مرحوم کا تبحر علمی واقعی قابل تعریف تھا) وہاں جا کر میں کتب مقروہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ (مولانا احمد حسن مرحوم تھے تو بریلوی عقیدہ کے، مگر طلباء کے حق میں کوئی تقید پسند نہ کرتے تھے) انہی دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں بھی شریک ہوا (وہاں کی تعلیم حدیث تیسری قسم کی پائی۔ غرض علم حدیث میں میں نے تین مختلف درسگاہوں سے فائدہ اٹھایا۔ خالص اہلحدیث، خالص حنفی، بریلوی عقیدہ) پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہلحدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے، دیو بند میں مولانا محمودالحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا۔ جس میں آٹھ طلبہ کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔ [1]

نوٹ: اکابرین ملت نے فیض عام کانپور کے اسی جلسہ (۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء) میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے زیر صدارت پہلی بار تحریک ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی تھی اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تحریک کے ایک بنیادی رکن رکین کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کو اپنے دور طالب علمی ہی میں علمی دنیا کے اندر کتنا بلند اور اہم مقام حاصل ہو چکا تھا۔

اس جلسۂ عام میں مولانا احمد حسن کانپوری نے آپ کو جو سند اجازت دی تھی اس میں آپ کی بابت جو الفاظ درج ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

الماهر الكامل، والعالم الفاضل الذكى اللوذعى، اليهوف اليلمعى المولوى محمد ثناء الله قد غاص على فرائد اللألى فى ذالك اليم.

---

[1] خودنوشت سوانح حیات، ص: ۵۸۔ اہل حدیث ۲۳ر جنوری ۱۹۴۲ء، نور توحید، ص: ۴۱۔

وقد خاض للطب فوائد الجواھر فی ذلک الخضم .[1]

(یعنی علمائے کرام کی لڑی میں جو لوگ منسلک ہوئے انہیں میں سے) ماہر کامل، عالم فاضل، زیرک و صاحب فہم رسا، روشن دل و بالغ نظر مولوی محمد ثناء اللہ بھی ہیں جنہوں نے انمول موتیوں کے لیے اس (علم) کے بحر بے پایاں میں غوطہ زنی کی اور فوائد علمی کے جواہر کی تلاش میں اس کی تہیں ٹٹولیں۔

فن طب کی تحصیل

درس نظامیہ کے علاوہ آپ نے علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ اور اس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن چونکہ آپ نے اسے بحیثیت پیشہ اختیار نہ کیا اس لیے اس وصف کے ساتھ معروف نہ ہو سکے۔ فن طب میں آپ کے استاد حکیم فضل اللہ کانپوری تھے۔[2]

اگرچہ فن طب کی تعلیم کا زمانہ کسی مستند ذریعہ سے متعین نہ ہو سکا۔ لیکن اس فن میں آپ کے استاد چونکہ کانپوری تھے، اس لیے اغلب یہی ہے کہ آپ نے یہ فن کانپور کے زمانۂ طالب علمی کے دوران حاصل کیا ہوگا۔

مشغلۂ تدریس

فراغت کے بعد پہلے پہل مولانا نے تدریس کا شغل اختیار فرمایا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"میری فراغت کا علم جب میرے استاد اوّل مولانا مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو انہوں نے از راہ شفقت مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں بعہدہ اول مدرس بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر میں کتب عربیہ پڑھاتا رہا۔"

واضح رہے کہ مولانا احمد اللہ صاحب مدرسہ تائید الاسلام کی مجلس منتظمہ کے صدر تھے۔ موصوف نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی فراغت کے بعد براہ راست کانپور سے بلا کر صدر مدرسی کا منصب سونپا تھا۔ اور پہلا سبق جو ممبران مجلس منتظمہ کی موجودگی میں آپ کے

---

[1] نور توحید، ص:۴۲۔ اس رسالہ کے ص ۴۱ تا ص ۴۳ پر پوری سند نقل ہے۔

[2] اہلحدیث ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۲ء [3] نور توحید، ص:۴۳

سامنے رکھا گیا وہ صحیح بخاری شریف کا تھا۔ ❶ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ دور طالب علمی ہی میں علمی لیاقت کے کس مقام بلند تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور آپ کے اساتذہ آپ کو کس قدر عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کوئی چھ برس بعد آپ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر سے علیحدہ ہو کر مالیر کوٹلہ چلے گئے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''اس کے بعد چند دنوں کے لیے ۱۸۹۸ء میں مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں بعہدہ اول مدرس بلایا گیا۔ آخر وہاں سے پھر امرتسر چلا آیا۔'' ❷

مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی مرحوم مصنف سیرت ثنائی کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۹۰۰ء میں مالیر کوٹلہ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ ❸

مولوی فاضل

مالیر کوٹلہ سے امرتسر واپسی کے بعد آپ پر تصنیف و تالیف اور اسلام کے حفظ و دفاع کا شغل غالب آ گیا۔ اور اسی میں آپ نے اپنی عمر بسر کر دی۔ اسی دوران ۱۹۰۲ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور ایک مزید تمغۂ علم سے سرفراز ہوئے۔ ❹

اسلامی تبلیغ اور دینی دفاع کی ہمہ گیر جدوجہد

آغاز عمر ہی سے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے عقائد و خیالات کا علم حاصل کرنا اور اسے فطرت کے اصول اور عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا اس لیے آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کے باوجود اہل باطل کی تردید کا بیڑہ اٹھالیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے آگے نکل گئے۔ آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی تھی اس میں اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آ رہے تھے۔

---

❶ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۹/ اکتوبر ۱۹۳۶ء ص: ۴ ❷ نور توحید، ص: ۴۴
❸ دیکھیے سیرت ثنائی، ص: ۱۰۵ ❹ نور توحید، ص: ۴۴

① آریہ: جو ماضی قریب کی پیداوار تھے، اور سرزمین ہند سے اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

② عیسائی: جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار وعقائد اور تمدن وثقافت کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کرر کھا تھا۔ ان کے پادری ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دندناتے پھر رہے تھے۔ اوران کی تحریری اور تقریری جارحیت سے مسلم قوم بلبلا رہی تھی۔

③ قادیانی: جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھے اور جن کے سربراہ اکبر مرزا غلام احمد قادیانی کے تازہ بتازہ دعوائے مسیحیت سے اسلامی حلقوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اوراس کے مریدوں نے اپنے انگریز آقاؤں کی شہ پر پورے ہندوستان میں طوفان برپا کرر کھا تھا۔

ان تین طبقوں کے علاوہ شیعہ، بدعتی اور اسلام سے نسبت رکھنے والے دوسرے چھوٹے بڑے متعدد فرقے تھے جنہوں نے اسلام کے دفاعی مورچے میں خانہ جنگی کی کیفیت برپا کر رکھی تھی۔

مولانا نے تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی میدان جہاد میں قدم رکھ دیا۔ اور زندگی بھر نہایت کامیابی کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑتے رہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی مرحوم رقم طراز ہیں۔

”اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا (یعنی مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا) قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔ اوراسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء۔“

”مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات ومراتب عطا فرمائے۔“

”موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں، اور

مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک رواں اور دواں رہتے تھے۔"❶

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔

"میرے نزدیک اسلام کی صداقت وحقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین وفطین انسان اسلام کا علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ ہے۔"❷

اسلامی دفاع کے سلسلے میں مولانا نے زبان وقلم کا سب سے زیادہ زور قادیانیوں، عیسائیوں اور آریوں کے خلاف صرف کیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تگ ودو متعدد خانوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

① ...... جلسہ عام میں آپ کی تقریریں ② ...... مناظرے
③ ...... کتابیں، رسالے، مجلات اور جرائد
④ ...... مختلف اداروں، انجمنوں اور تنظیمات کی تشکیل، رہنمائی اور نگرانی۔

جلسے اور تقریریں

جن جلسہ ہائے عام سے آپ نے خطاب فرمایا ان کی روداد تو درکنار صرف ان کی فہرست پیش کرنی بھی سخت دشوار ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ان کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکے۔ مختصر طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اہلحدیث کا کوئی بھی قابل ذکر جلسہ آپ کی شرکت کے بغیر ناقص سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت جماعت اہلحدیث کی تبلیغی سرگرمیاں شباب پر تھیں۔ کم از کم آپ کے پبلک خطابات کی تعداد آپ کے مناظروں کی تعداد سے یقیناً زیادہ رہی ہوگی۔ اور آپ کے مناظروں کی تعداد

---

❶ یادرفتگاں، ص:۴۱۸۔۴۲۱ ❷ المنبر لائل پور ۱۴ر شعبان ۱۳۸۷ھ، ص:۴۰

ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ ❶

آپ ان پبلک خطابات میں جہاں اہل اسلام کو ہدایت ونصیحت فرماتے اور انہیں اسلام کی شاہراہ مستقیم پر پوری گرمجوشی کے ساتھ گامزن ہونے کی تلقین کرتے وہیں دشمنان اسلام کے باطل افکار وخیالات اور دعاوی ودلائل کی قلعی بھی کھولتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف مسلمانوں کے دل سے مخالفین کے پیدا کیے ہوئے بہت سے شکوک ووسوسے دور ہوتے تو دوسری طرف خود بہت سے مخالفین اسلام بھی حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے۔

ان عام جلسوں کے علاوہ آپ اپنی مسجد میں روزانہ صبح کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ اور خطبہ جمعہ تو آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ان خطبوں، تقریروں اور درسوں میں آپ اسلامی تعلیمات کا ایسا مرقع پیش فرماتے تھے کہ پورا اسلام اپنی تمام تر رعنائی وزیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوکر سامنے آجاتا تھا۔

مناظرے

تبلیغ حق اور ابطال باطل کی دوسری راہ مناظرے کی تھی۔ اور مناظرہ کی طرف مولانا کا رجحان ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ مولانا عبداللہ ثانی، مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ان ایام کی بابت لکھتے ہیں جب کہ انہوں نے رفوگری کے ساتھ ساتھ مولانا احمد اللہ صاحب کے یہاں تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

”مولانا محمد جمال مرحوم امرتسری رحمہ اللہ جو میرے استاد حدیث ہیں فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں قرآن مجید حفظ کیا کرتا تھا۔ اور مولوی ثناء اللہ (جو ابھی طالب علم تھے) گرجا گھر، بیرون دروازہ رام باغ میں جاکر پادری کی تقریر پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور عوام دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔“ ❷

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔ آپ کے مناظروں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ تنہا

---

❶ سیرت ثنائی، ص: ۳۱۰ ❷ نور توحید، ص: ۳۹ (حاشیہ)

امرتسر میں آپ نے دوسو سے زیادہ مناظرے کیے۔ [1] لاہور کے مناظروں کی تعداد بھی سیکڑوں سے کم نہیں۔ [2] ظاہر ہے کہ اس سرسری تذکرے میں سرے سے اس طویل فہرست ہی کی گنجائش نہیں۔ چہ جائیکہ ان کی روداد قلمبند کی جائے۔ تاہم چند خاص خاص اور اہم مناظروں کا ایک اجمالی تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے۔

آریوں سے مناظرے

① مناظرۂ دیوریا...... دیوریا، نیپال اور بہار سے متصل شمال مشرقی یوپی کا آخری ضلع ہے۔ یہاں ۱۹۰۳ء میں ایک ہفتہ تک مولانا نے آریوں سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ مناظرہ کیا۔ آریہ فریق کو بڑی ذلت آمیز شکست ہوئی۔ مفصل روداد شائع شدہ ہے۔

② مناظرۂ نگینہ ضلع بجنور...... یہ مناظرہ ۵؍جون سے ۱۴؍جون (۱۹۰۴ء) تک دس روز کے لیے ہونا طے پایا تھا۔ اس کا اہتمام دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے کیا گیا تھا اور اس میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) سمیت وقت کے اکابر علمائے دیوبند موجود تھے لیکن بحکم؎

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

بالاتفاق مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو اہل اسلام کی طرف سے مناظر مقرر کیا گیا۔ دو آریہ مناظر تیسرے ہی دن بھاگ کھڑے ہوئے۔ پانچویں دن آخری آریہ مناظر نے بھی ہتھیار ڈال دیا۔ اور اہل اسلام کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ متعدد آریہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

③ ۱۹۱۲ء میں ڈی۔اے۔وی کالج لاہور کے اندر ایک مناظرہ ہوا۔ آریوں کے صدر نے مولانا کی کامیابی اور اپنے فریق کی ناکامی کا اعتراف خود کیا۔

④ مناظرہ جلپور...... یہ مناظرہ ۳۱؍مئی تا ۲؍جون ۱۹۱۵ء ہوتا رہا۔ بڑا زبردست مناظرہ تھا۔ آریوں نے مولانا کی آمد کی خبر سنتے ہی آبرومندانہ طور پر مناظرہ سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں گھیر کر میدان مناظرہ میں کھڑا کر ہی دیا۔ آریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے دوبارہ اس علاقہ میں سر نہیں اٹھایا۔

---

[1] سیرت ثنائی ص ۳۲۲ [2] ...

⑤ ۱۹۱۷ء میں وچھوالی (لاہور) کے اندر مسئلہ طلاق پر ایک مناظرہ ہوا۔ آریہ مناظر نے استہزاء کی راہ اختیار کرنی چاہی مگر مولانا نے اسے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ بیچارے کو جائے پناہ نہ مل سکی۔

⑥ لاہور ہی میں ایک دفعہ ایک اور مہاشے دھرمپال (آریہ) آپ کے مقابل آیا۔ مسئلہ زیر بحث گوشت خوری سے متعلق تھا۔ بیچارے کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرنا پڑا۔ اور لوگوں کے بے مہابا قہقہوں کی دلخراش ضرب بھی سہنی پڑی۔

⑦ مناظرۂ ویلم ضلع مظفر نگر یوپی ۱۵/تا ۱۷/مارچ ۱۹۱۸ء

⑧ مناظرۂ خورجہ ضلع بلند شہر یوپی ۱۹/تا ۲۱/مارچ ۱۹۱۸ء

ان دونوں مناظروں میں آریوں کو شکست فاش ہوئی۔ خورجہ کے مناظرہ میں اکابر علمائے دیوبند مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ شریک تھے۔ لیکن سب نے بالاتفاق مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی کو مناظر منتخب کیا۔

⑨، ⑩ ۱۹۲۰ء میں پنڈت دھرم بھکشو (آریہ) سے امرتسر میں دو دن مناظرہ ہوا۔ اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسی امرتسر میں ماسٹر آتما رام (آریہ) سے مناظرہ ہوا۔ ہر دو مناظروں میں آریوں کو بری طرح زک اٹھانی پڑی۔

⑪ ۱۹۲۱ء میں لاہور کے اندر پنڈت رام چندر مقابل آئے۔ اور منہ کی کھائی۔

⑫ مناظرۂ حیدر آباد سندھ ...... ۱۲/تا ۱۷/جنوری ۱۹۲۷ء۔ یہ نہایت ہی اہم اور عظیم الشان مناظرہ تھا۔ اس میں اہل اسلام کو ایسی شاندار کامیابی نصیب ہوئی کہ اس علاقے میں اس کی نظیر نہیں دیکھی جا سکی۔ (یاد رہے کہ سندھ میں مولانا نے متعدد مناظرے کیے تھے۔ یہ مناظرہ ان میں سے ایک تھا۔)

⑬ مناظرۂ وینا نگر ضلع گورداسپور پنجاب ...... بتاریخ ۳/اگست ۱۹۳۶ء یہ مناظرہ نہایت دلچسپ اور بیک کرشمہ دو کار کا مصداق تھا۔ قادیانیوں نے شور مچا رکھا تھا کہ آریوں کو ہمارے علاوہ کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن قادیانی حضرات انہیں شکست نہ دے سکے۔ مولانا امرتسریؒ نے انہیں شکست دی۔ اور اس طرح آریوں کی تردید بھی ہوئی اور قادیانیوں کی رسوائی بھی۔

⑭ مناظرۂ امرتسر ...... ۲۴/مئی ۱۹۴۴ء۔ مولانا نے امرتسر میں مختلف فرقوں کے بالمقابل جو دو سو سے زیادہ مناظرے کیے یہ ان میں سے آخری مناظرہ تھا۔ اس مناظرہ میں خود آریہ مناظر نے مولانا کا غلبہ اور برتری تسلیم کی۔

عیسائیوں سے مناظرے

① مناظرۂ لاہور ...... ۱۹۱۰ء، اس میں فریق مقابل پادری جوالا سنگھ عیسائی تھا۔ اس نے اپنی ناکامی کا اعتراف خود کیا اور ایک پورا عیسائی خاندان مسلمان ہوگیا۔

② مناظرۂ ہوشیار پور ...... ۶/ستمبر ۱۹۱۶ء، یہ مناظرہ خاصا دلچسپ تھا۔ عیسائیوں کے شیخ المنطق پادری جوالا سنگھ صاحب مناظر تھے۔ اور انہوں نے اپنا پورا سرمایۂ منطق داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن نتیجہ حسرت ویاس کے سوا کچھ نہ رہا۔

③ مناظرۂ گوجرانوالہ...... ۲۷۔۲۸/فروری ۱۹۲۶ء کو انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ کا سالانہ جلسہ تھا اسی جلسہ میں پادری محمد سلطان پال سے مسئلہ توحید پر مناظرہ ہوا۔ پادری صاحب کی شکست فاش سے متاثر ہو کر عین جلسہ عام میں ایک عیسائی نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

④ مناظرۂ حافظ آباد ...... ۲۔۳/ستمبر ۱۹۲۸ء میں اس میں عیسائیوں کو اس بری طرح منہ کی کھانی پڑی کہ عرصہ دراز تک تلملاتے رہے۔

⑤ عیسائی مناظرین میں پادری عبدالخالق خاصا مشہور تھا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعدد مناظرے ہوئے۔ اور ہر مناظرے میں اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ایک بار لاہور میں اس شخص کو مولانا کے بالمقابل ایسی شکست وندامت سے دوچار ہونا پڑا کہ اس نے عرصہ تک سر نہیں اٹھایا۔

⑥ مناظرۂ الہ آباد ...... ۴۔۵/اگست ۱۹۳۵ء، اس میں عیسائی مناظر پادری عبدالحق تھا۔ وہ مولانا کی گرفتوں سے اس قدر بوکھلایا کہ اس نے خود کہہ دیا ''ہم الوہیت مسیح کے قائل نہیں۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مسلمان اپنی شاندار فتح پر شاداں وفرحاں واپس ہوئے۔ یہ مناظرہ بڑا معرکہ خیز تھا۔ اور اس کے اثرات بہت دور دور تک ہوئے۔

شیعوں اور منکرین حدیث سے مناظرے

① مناظرۂ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب (موجودہ پاکستان) ...... ۲۸/اپریل ۱۹۱۴ء، یہ مناظرہ شیعوں کے بالمقابل تھا۔ اور نہایت دلچسپ تھا۔ شیعوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے اس علاقے میں دوبارہ سر نہیں اٹھایا۔

② ۱۹۲۰ء میں لاہور کے اندر مسئلہ وراثت اور باغ فدک پر شیعوں سے مناظرہ ہوا۔

③ ۱۰ر مارچ ۱۹۲۴ء کو منصور پور ضلع ہوشیار پور میں "خلافت اصحاب ثلاثہ" کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ ہر دو مناظروں میں شیعوں کو خاصی زک اٹھانی پڑی۔

④ تھوڑے دنوں بعد ۱۸ر مئی ۱۹۲۴ء کو وار برٹن میں حنفیوں اور شیعوں کے درمیان مناظرہ ہونا طے پایا۔ حنفیوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو اپنی طرف سے مناظرہ کرنے کے لیے مدعو کر لیا۔ شیعوں پر مولانا کی آمد کی خبر ہی سے بدحواسی طاری ہوگئی۔ اور بالآخر وہ اس بری طرح ناکام ہوئے، اور مولانا کے علم وفضل اور ورع وتقدس کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ متعدد حنفی بھی اہلحدیث ہوگئے۔

⑤ ستمبر ۱۹۳۱ء میں مقام بھڑی شاہ رحمان، تحصیل وزیر آباد [1] پنجاب میں شیعوں سے ایک اور مناظرہ ہوا۔ اس میں شیعوں کے لیے مسئلہ "تقیہ" کا ایسا پردہ چاک ہوا کہ بیچارے پانی پانی ہوگئے۔

⑥ امرتسر میں منکرین حدیث سے متعدد مناظرے ہوئے اور ہر بار انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ لاہوری منکرین حدیث کے سربراہ مولوی حشمت علی نامی ایک صاحب تھے۔ پہلے وہ الجھتے رہے لیکن بار بار ذلت وناکامی سے نادم ومایوس ہو کر خاموش ہو رہے۔ پھر امرتسری منکرین حدیث کے پیشوا مولوی احمد الدین میدان میں آئے۔ کئی بار شکست کی خفت اٹھانے کے بعد جب سامنے آنے کی جرأت نہ رہی تو اخبارات ورسائل کے ذریعہ تحریری مباحثہ شروع کر دیا۔ لیکن مولانا کی گرفتوں سے زچ ہو کر بہت جلد قلم رکھ دینا پڑا۔ مولانا نے ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح مباحثہ مکمل ہو جائے لیکن مولوی احمد الدین صاحب کی مہر سکوت نہ ٹوٹ سکی۔

---

[1] یہ مناظرہ بھڑی شاہ رحمان (حال تحصیل وضلع حافظ آباد) میں نہیں ہوا تھا بلکہ جتنی شاہ رحمان میں ہوا تھا۔ جو ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیر آباد کے حلقہ علی پور چٹھہ کے نواح میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں کے مستری فیملی کے ایک صاحب خادم محمد مناظرہ سوہدرہ سے متاثر ہو کر اہل حدیث ہوئے اور انہوں نے ہی یہ مناظرہ کروایا تھا۔ دراصل مولانا عبدالمجید سوہدری کی کتاب سیرۃ ثنائی ص ۴۳۸ میں کتابت کی غلطی سے جتی شاہ رحمان کی بجائے بھڑی شاہ رحمان شائع ہو گیا اور بعد کے سوانح نگاروں کو یہاں سے ہی غلطی لگی ہے۔ کتابت کی غلطی کی دلیل یہ ہے کہ مولانا سوہدری نے لکھا ہے، بھڑی شاہ رحمان متصل پنڈوریاں، حالانکہ بھڑی شاہ رحمان کے متصل کوئی گاؤں پنڈوریاں نہیں بلکہ جتی شاہ رحمان کے متصل پنڈوریاں گاؤں ہے، مزید برآں یہ کہ ہمارے والد صاحب اس مناظرے میں موجود تھے، وہ بھی جتی شاہ رحمان ہی بیان کرتے تھے، ابوصہیب محمد داؤد ارشد)

حنفیوں سے مناظرے

① حنفیوں سے خود امرتسر میں کئی مناظرے ہوئے۔ ایک مناظرہ مولوی خیر شاہ صاحب سے ہوا۔ جس میں دونوں فریق کے ججوں نے متفقہ طور پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا۔

② ۱۸۹۹ء میں امرتسر ہی کے اندر ایک مناظرہ مولوی عبدالصمد صاحب حنفی (بریلوی) سے مسئلہ تقلید پر ہوا۔ احناف نے اپنی شکست کا رنگ دیکھا تو فساد شروع کر دیا۔ کچھ بااثر لوگوں نے شورش روک کر دوبارہ مناظرہ کرانے کی کوشش کی تو حنفی مناظر مولوی عبدالصمد صاحب بھاگ کھڑے ہوئے۔

③ انہی مولوی عبدالصمد صاحب حنفی سے ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں امرتسر کے اندر مسئلہ علم غیب پر ایک مناظرہ ہوا۔ مولانا عبدالخالق حقانی حنفی فریقین کے مسلمہ جج تھے۔ انہوں نے اپنے فیصلہ میں نہایت صفائی کے ساتھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا۔

④ اسی طرح لاہور کے اندر ایک بار انجمن نعمانیہ کے جلسے میں دیوبندی اور بریلوی علماء مناظرہ کے لیے تشریف لائے۔ شرائط مناظرہ پر بات طول اختیار کر گئی تو پولیس انسپکٹر نے مجمع منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ عین اسی وقت مولانا امرتسری رحمہ اللہ نمودار ہوئے۔ اور پولیس انسپکٹر سے اجازت لے کر بریلویوں کو للکارا۔ مگر انہیں مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

⑤ ایک اور دفعہ اسی لاہور ہی میں مولوی حشمت علی بریلوی اور مولوی محمد منظور دیوبندی کے درمیان شرائط مناظرہ پر لے دے ہو رہی تھی کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ جا دھمکے۔ اور بریلویوں سے بلا شرط مناظرہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مگر بیچاروں کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

⑥ ایک مناظرہ ۳/ مئی ۱۹۲۰ء کو فرقہ ناجیہ کے موضوع پر ہوا۔ بریلوی مناظر مولوی کرم دین کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

⑦ ۵/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مقام بدھوآنہ ضلع جھنگ میں تقلید شخصی کے موضوع پر ایک بڑا ہی زبردست اور اعلیٰ پیمانے کا مناظرہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں دور دور تک تقلید کی ساکھ اکھڑ گئی۔

⑧ ۲۸۔ ۲۹/ مارچ ۱۹۲۲ء کو انجمن اہلحدیث سوہدرہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر حنفی حضرات نے مناظرہ ٹھان دیا۔ لیکن ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ بیچارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ سیکڑوں آدمی قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل ہو گئے اور مولوی سردار محمد واعظ پنڈوریاں اپنے رفقاء سمیت اہلحدیث ہو گئے۔

⑨ ۱۳۔۱۴۔۱۵ رنومبر ۱۹۲۲ء کو میر پور (ریاست جموں و کشمیر) کی انجمن اہلحدیث کے سالانہ جلسے میں ایک دلچسپ لطیفہ پیش آیا۔ بریلویوں نے اہلحدیثوں کو اس شرط کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دے رکھا تھا کہ اہلحدیث حضرات اپنا کوئی سند یافتہ عالم لائیں۔ عین مناظرہ کے وقت مبادیات طے ہو جانے کے بعد فریقین کو وکلاء کے سامنے سندیں پیش کرنی تھیں۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب، دہلی، سہارنپور، دیوبند، کانپور اور پنجاب یونیورسٹی کی سندیں پیش کر دیں۔ لیکن دوسرا فریق خود اپنی ہی پیش کردہ تجویز کے برخلاف کوئی سند نہ پیش کر سکا۔ اور یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

⑩ ۳۔۴ر اپریل ۱۹۲۳ء کو چک رجادی میں تقلید شخصی کے موضوع پر ایک مناظرہ ہوا۔ احناف کے صدر نے خود اپنی شکست کا اعتراف کیا۔

⑪ ۲۱۔۲۲ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو پادرہ (ریاست بڑودہ، صوبہ گجرات) میں مولوی حشمت علی بریلوی سے تکفیر اہلحدیث کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ بیچارے مدعی تھے۔ ادھر دلیل لاتے، ادھر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اسے ہباءً منثوراً کر دیتے۔ آخر حشمت علی صاحب کو سخت ناکامی ونامرادی سے دوچار ہونا پڑا۔

⑫ ۵ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جلال پور پیر والا ضلع ملتان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی سے رفع الیدین کے مسئلہ پر مناظرہ ہوا۔ مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی شیخ الجامعہ کے معاون تھے۔ خود حنفی جج نے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو فاتح قرار دیا۔

⑬ ۲۳۔۲۴ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو انہیں شیخ الجامعہ صاحب سے تاندلیانوالہ (ضلع لائل پور) میں تقلید شخصی کے موضوع پر پھر ایک مناظرہ ہوا۔ اور شیخ الجامعہ کو اپنے موقف کی غلطی خود تسلیم کرنی پڑی۔ جس کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

⑭ ۱۹۳۰ء میں لاہور کے اندر ایک مناظرہ مولوی ولی محمد جالندھری سے علم غیب کے موضوع پر

ہوا۔ مناظرہ کا رنگ دیکھ کر خود بریلوی طبقہ پکار اٹھا کہ اس مسئلہ میں وہابی سچے ہیں۔ [1]

یہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ایک ہزار سے زائد مناظرات میں سے چند مناظروں کا اجمالی اور سرسری تذکرہ ہے۔ اس میں ہم نے قادیانیوں کے ساتھ ہونے والے مناظرات کا ذکر قصداً نہیں کیا ہے کیونکہ ان کا تعلق کتاب کے اصل موضوع سے ہے۔ لہٰذا ان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

مناظرے کے باب میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل رہا کہ ہر محاذ پر کامیابی آپ کی ہمرکاب رہی۔ اور آپ کا پرچم استدلال کبھی بھی اور کہیں بھی سرنگوں نہیں ہوا۔

تصانیف

مولانا کی تصانیف کے موضوع اور مقاصد بھی عموماً وہی تھے جو آپ کی تقریروں اور مناظرات کے تھے۔ آیئے آپ کی تصنیفات اوران کے اسباب ومحرکات کا ذکر آپ ہی کی زبانی سنیں۔ ۲۳/جنوری ۱۹۴۲ء کی خودنوشت سوانح حیات میں آپ رقم طراز ہیں:

"کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب میں پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا۔ اس لیے ادھر ادھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں زیادہ مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت مخالف بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دوگروہ ہیں۔ انہیں دنوں قریب ہی قادیانی تحریک بھی پیدا ہوچکی تھی۔ جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی اس لیے درس تدریس کے علاوہ میں

---

[1] مولانا کے اکثر مناظروں کا ذکر اخبار "اہلحدیث" امرتسر میں آ گیا ہے۔ بعض کتابی شکل میں چھپے ہیں۔ ہم نے اکثر کی کیفیت سیرت ثنائی ص ۳۱۲ تا ۳۶۵ سے اخذ کی ہے۔

ان تینوں گروہ (عیسائی، آریہ اور قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے لیے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علمائے سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کیے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی، اور حافظ ابن حزم علامہ عبدالکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔

تصانیف کی پہلی شاخ، ردعیسائیت

دوران تلاش میں سب سے پہلی قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی تصنیف ''عدم ضرورت قرآن'' نظر آئی۔ جس کے جواب میں میں نے کتاب ''تقابل ثلاثہ'' (تورات، انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی۔

عیسائیوں کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں۔ جن کے مجموعے کا نام جوابات نصاریٰ ہے۔ سب سے اخیر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے جس کا نام ہے ''اسلام اور مسیحیت'' عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

① ......عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت؟

② ......دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟

③ ......اصول البیان فی توضیح القرآن۔

ان تینوں کے جواب میں ''اسلام اور مسیحیت'' لکھی گئی جو شائع شدہ ہے۔ جس نے شائع

ہونے کے بعد اسلامی جرائد سے خراج تحسین وصول کیا۔

دوسری شاخ، ردآریت

اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سوانسٹھ اعتراض ہیں۔ اور ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی اعتراض ہیں، کتاب ستیارتھ کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ حسب قول حافظ شیرازی۔

قرعۂ فال بنا من دیوانہ زدند

میں نے اس کے جواب میں کتاب ''حق پرکاش'' لکھی جو بفضلہٖ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کسی عالم نے ''ستیارتھ پرکاش'' کے جواب کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ ذلک من فضل اللّٰہ۔ اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرمپال) نے رسالہ ''ترک اسلام'' لکھا۔ اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام ''تُرک اسلام بر ترک اسلام'' شائع کر دیا۔ [1] جس سے مسلمانوں کو اسی قدر قلبی راحت حاصل ہوئی۔ جتنی مئی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے۔ (اللہ قبول کرے۔)

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام تھا۔ کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟'' اس کے جواب میں میں نے ''کتاب الرحمٰن'' لکھی۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ کہ آریوں نے ''رنگیلا رسول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر سخت ناپاک حملے کیے۔ جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگ گئی۔ مسلمان گویا متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذات قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں

---

[1] یہ سلسلۂ بحث آگے بڑھا۔ دھرمپال نے ''تہذیب الاسلام'' لکھی۔ جس کا جواب مولانا نے ''تغلیب الاسلام'' کے نام سے چار جلدوں میں لکھا۔ پھر دھرمپال نے ''نخل اسلام'' لکھی۔ جس کا جواب مولانا نے ''تبرا اسلام'' کے نام سے دیا آخر دھرمپال مسلمان ہو گیا۔

دیتا؟ بقول ؎

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اس کے جواب میں میں نے ''مقدس رسول'' لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے ''رنگیلا'' کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے مسلمانوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے جن کے جوابات خاکسار کی طرف سے دیئے گئے، جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔

(ان میں سے کچھ تصانیف کے نام یہ ہیں: حضرت محمد رشی، نماز اربعہ، سوامی دیانند کا علم وعقل، رجم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین، شادی بیوگان اور نیوگ، الہامی کتاب، بحث تناسخ، ثمرات تناسخ، حدوث وید، جہاد وید، الہام، اصول آریہ، القرآن العظیم، نکاح آریہ)

تیسری شاخ، ردّ مرزائیت

تیسری شاخ میری تصانیف کی قادیان کے متعلق ہے اس کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال خاطر کا خطرہ ہے۔ اس لیے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانئے تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی۔ جس کا عنوان تھا۔ ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس کے شروع ہی میں میری نسبت جو خاص گلہ وشکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید وشنید ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

''مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا۔ میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔''

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو رونق تو بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب

کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

نوٹ: قادیانی لٹریچر کے جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دیو بند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا: غالباً آپ کے حسن ظن اور تواضع ہے۔

(آپ کی تصانیف کی اس شاخ کا مفصل تعارف اگلے ابواب میں آ رہا ہے۔)

چوتھی شاخ، تفسیر نویسی

چوتھی شاخ میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔ یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی میں غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے ''تفسیر ثنائی'' غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی۔ جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے اس کے تھوڑا عرصہ بعد، بلکہ ساتھ ساتھ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' خاص طرز پر عربی میں لکھی۔ جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔

تیسری تفسیر موسومہ ''بیان الفرقان علی علم البیان'' عربی میں لکھنی شروع کی۔ جس کا ایک حصہ (سورہ بقرہ تک) شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ ''تفسیر بالرای'' لکھی۔ اس میں تفسیر بالرای کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن (قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ) کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کا بھی ایک حصہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

افسوس مولانا کی دونوں آخر الذکر تفسیروں کے زیر غور حصے کثرت مشاغل کے سبب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔

پانچویں تفسیر آپ نے ''برہان التفاسیر'' کے نام سے لکھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک رکوع کی صحیح اور جامع تفسیر رقم فرما دیتے۔ اس کے بعد دوسرے اصحاب تفسیر ...... خصوصاً

عیسائی اور کسی حد تک منکرین حدیث اور قادیانی حضرات ...... کی تفاسیر پر ...... جو در حقیقت قرآن کی تحریف ہوتیں نقد و تبصرہ فرماتے ...... یہ تفسیر کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔ البتہ ہفت روزہ اہلحدیث (امرتسر) میں ایک طویل عرصے تک اس کے اجزاء بالاقساط شائع ہوتے رہے۔

پانچویں شاخ، ردفرقہائے اسلامیہ

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف کی مذکورہ بالا چار شاخوں کے علاوہ مزید کسی شاخ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اسلام سے صحیح یا غلط نسبت رکھنے والے متعدد فرقوں (دیوبندی، بریلوی، شیعہ، رافضی، نیچری، منکرین حدیث وغیرہ) کی تردید میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ جنہیں پانچویں شاخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بطور مثال چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اہلحدیث کا مذہب، تقلید شخصی و سلفی، حدیث نبوی اور تقلید شخصی، علم الفقہ، آمین رفع یدین، فتوحات اہل حدیث، اجتہاد و تقلید، فقہ اور فقیہ، دلیل الفرقان، خلافت محمدیہ، عصمت النبی، رسوم اسلامیہ، اتباع الرسول۔

چھٹی شاخ، علمی و ادبی تصانیف

اس شاخ میں مولانا کی خالص علمی، ادبی، اصلاحی، تبلیغی اور فنی تصانیف آتی ہیں۔ جنہیں آپ نے شبانہ روز کے مناظروں کی ہماہمی اور مباحثات کی گرما گرمی کے باوجود قلمبند فرمایا تھا۔ مثلاً: تعلیم القرآن، ادب العرب، التعریفات النحویہ، شریعت اور طریقت، السلام علیکم، ہدایت الزوجین، کلمہ طیبہ، عزت کی زندگی، خصائل النبی، حیات مسنونہ، اسلامی تاریخ، اسلام اور برٹش لاء، مائۃ ثنائیہ وغیرہ۔

جرائد ومجلّات

اسلام کی تبلیغی ضروریات اور اس کے حفظ ودفاع کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے آپ نے دوسرا تحریری ذریعہ جرائد ومجلّات کے اجراء کی شکل میں اختیار فرمایا تھا۔ درسیات سے علیحدگی کے بعد جب آپ نے تصنیفی شغل اختیار کیا تو بہت جلد محسوس کیا کہ تنہا تصنیف کا کام بھی حالات کے تقاضوں کے مقابلہ میں ناکافی ہے اس لیے آپ نے اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور مختلف اوقات میں تین پرچے جاری کیے۔

ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر

یہ پرچہ ۲۳/شعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳/نومبر ۱۹۰۳ء کو ہفت روزہ کی شکل میں جاری ہوا۔ اور کوئی ۴۴ سال تک پوری باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ درمیان میں ایک بار ایک مضمون کی وجہ سے حکومت پنجاب نے اس کی ضمانت ضبط کر لی۔ ضبطی کی اطلاع ۱۰/دسمبر ۱۹۱۳ء کو دی گئی اور آئندہ کے لیے دو ہزار کی ضمانت کا مطالبہ کیا گیا۔ اس لیے ۱۹/دسمبر سنہ مذکورہ کے شمارے کے بعد اس کی اشاعت ملتوی کر دینی پڑی۔ ۲/اپریل ۱۹۱۴ء کو مولانا نے دو ہزار روپے کی ضمانت داخل کی اور ۱۰/اپریل ۱۹۱۴ء سے اہلحدیث دوبارہ جاری ہو گیا۔ اس اثناء میں مولانا نے اس کی اشاعت بالکلیہ بند نہیں کی۔ بلکہ درمیان کے تین مہینوں میں سے جنوری ۱۹۱۴ء کے مہینے میں "مخزن ثنائی" کے نام سے دو شمارے اور فروری، مارچ کے دو مہینوں میں "گلدستہ ثنائی" کے نام سے چار شمارے پندرہ روزہ کی شکل میں شائع کیے۔ یہ شمارے ہر حیثیت سے اہلحدیث ہی کے شمارے تھے۔ صرف قانونی مجبوری کے تحت نام بدلا ہوا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چونکہ یہ بندش جابرانہ اور ظالمانہ تھی اس لیے مولانا کی کسی قسم کی تحریک کے بغیر اس معاملے کی آواز پارلیمنٹ آف لندن تک گونجی۔ اور تقریباً تمام اسلامی جرائد نے مولانا سے اظہار ہمدردی اور حکومت کے طرز عمل پر نفریں کیا۔

۱۹۱۹ء کے آغاز میں بھی پریس کی تبدیلی کے سبب چونکہ نیا ڈیکلریشن داخل کرنا پڑا۔ اور

اجازت نامہ کے حصول میں تاخیر ہوئی اس لیے ۷ اور ۱۵ ر فروری ۱۹۱۹ء کے شماروں کی جگہ ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے دو ہفتوں کا ایک مشترک شمارہ شائع ہوا۔ پھر پریس ہی کی تبدیلی کے سلسلے میں ایک بار ۱۰ ر اور ۱۷ ر اگست ۱۹۲۳ء کے دو شمارے ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے یکجائی شکل میں شائع ہوئے۔

یہ ہفت روزہ (اہلحدیث) مدت العمر نہایت پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ حتی کہ اگر کسی اہم ترین ضرورت کی بنا پر کسی ہفتے کی اشاعت کا ناغہ ہو جاتا تو اگلے ہفتے اس کی ضخامت دوگنا کر دی جاتی۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مشکل ہی سے ایک آدھ دفعہ ایک دن کے لیے موخر ہوا ہے۔ ورنہ عموماً تعطیلات وغیرہ کے مواقع پر ایک دن پہلے ہی پوسٹ ہو جاتا تھا۔ ہاں آزادیٔ ملک سے کچھ دنوں پہلے جب ۱۹۴۷ء کی سیاسی اتھل پتھل کے نتیجے میں ملک کے بیشتر صوبوں میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً فرقہ وارانہ فسادات نے نازک صورت اختیار کر لی۔ اور ۵ ر مارچ ۱۹۴۷ء سے خود امرتسر میں بھی رہ رہ کر کشت وخون کا بازار گرم ہونے لگا تو جون وجولائی ۱۹۴۷ء کے شماروں کی اشاعت میں خاصا خلل پڑا۔ اور بالآخر یکم اگست ۱۹۴۷ء، مطابق ۱۳ ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کے شمارے کے بعد اس کی اشاعت بند کر دینی پڑی۔ اس کے بعد امرتسر اور پنجاب کے مسلمانوں کی طرح مولانا بھی تقسیم ہند کے مسئلہ سے پیدا ہونے والی مسلسل افتاد سے دوچار ہو کر ابھی اپنی ہجرت گاہ (سرگودھا پاکستان) میں قدم بھی نہ جما سکے تھے کہ وقت موعود آ پہنچا۔ اس لیے مزید کوئی اشاعت نہ ہو سکی۔

مولانا نے اس ہفت روزہ کی ادارت کے فرائض تاحیات انجام دیئے۔ صرف آپ کے سفر حج کے دوران ۳۰ ر اپریل ۱۹۲۶ء سے ۲۷ ر اگست ۱۹۲۶ء تک کے شماروں کی ادارت آپ کے صاحبزادے مولوی ابو رضاء عطاء اللہ صاحب نے کی۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اس مدت تک اس کے نگراں رہے۔

یہ ہفت روزہ کس جذبے کے تحت جاری کیا گیا تھا۔ اور اس نے کس قسم کی خدمات انجام دیں؟ اس کا ذکر بھی دو جملوں کے اندر مولانا ہی کے الفاظ میں سن لیجیے۔ لکھتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی، اور تصنیف کتب کا کام ناکافی

ثابت ہوا تو اخبار ''اہلحدیث'' جاری کیا گیا۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔''❶

''یہ اخبار کیا ہے؟ مجمع البحرین ہے۔ یعنی دین و دنیا کا مجموعہ، جس میں ملکی، مذہبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین کے علاوہ متفرق سوال و جواب، دینی فتاوے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات درج ہوتے ہیں۔ غرض یہ اخبار توحید و سنت کا حامی، شرک و بدعت کا دشمن، مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتانے والا ہے۔''❷

درحقیقت یہ ہفت روزہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور باطل کی تردید و بیخ کنی کے سلسلے میں پورے ملک کے اندر اپنی مثال آپ تھا۔

ماہنامہ و ہفت روزہ ''مسلمان'' امرتسر

جب اسلام دشمن فرقوں (عیسائی، ہندو، آریہ اور دیگر قوموں کے حملے اور اعتراضات اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بہت زیادہ تیز ہو گئے۔ تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے خاص ان کی تردید اور جواب کے لیے یہ رسالہ ''مسلمان'' جاری کیا۔ یہ مئی ۱۹۰۸ء سے جاری ہوا۔ پہلے ماہنامہ تھا۔ اور رسالہ سائز پر چھپتا تھا۔ دو سال بعد ۷/ جون ۱۹۱۰ء کے شمارے سے ہفت روزہ ہو گیا۔ اور بڑے سائز (اخباری سائز) پر شائع ہونے لگا۔ مزید تین سال بعد جولائی ۱۹۱۳ء سے آپ نے اس کی ادارت اور ملکیت کے حقوق منشی علم الدین صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی طرف منتقل کر دیئے۔ مگر منشی صاحب اسے زیادہ عرصے تک نہ سنبھال سکے۔ اور اس کی اشاعت بند کر دی۔

ماہنامہ مرقع قادیانی

۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب قادیانی نے جب اپنے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے درمیان آخری فیصلہ والا اشتہار شائع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کاذب، صادق کی زندگی ہی میں مر جائے گا۔ تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا جوش جہاد اور بڑھ گیا۔ اور آپ نے خاص قادیانیت کی

---

❶ اہلحدیث ۲۳/ جنوری ۱۹۴۲ء ص: ۵ ❷ عام اشتہارات متعلقہ ''اہلحدیث''

تردید کے لیے جون ۱۹۰۷ء سے "مرقع قادیانی" نام کا ایک مستقل ماہنامہ رسالہ شائع کرنا شروع کر دیا۔ خدائی فیصلے کے مطابق سال بھر بعد ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو جب مرزا صاحب (کاذب) مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (صادق) کے جیتے جی وفات پا گئے تو اس رسالے کی چنداں حاجت نہ رہی۔ اس لیے اکتوبر ۱۹۰۸ء تک کے شمارے شائع کرنے کے بعد اس کی اشاعت بند کر دی گئی۔

۲۲۔۲۳ ربرس بعد جب قادیانیوں میں پھر تیزی آئی تو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپریل ۱۹۳۱ء سے "مرقع قادیانی" کی اشاعت دوبارہ شروع کر دی۔ لیکن اپریل ۱۹۳۳ء کا شمارہ شائع کر کے اس ماہانہ کی اشاعت پھر بند کر دی۔ کیونکہ قادیان سے شائع ہونے والے مواد کی تردید کے لیے اہلحدیث کے صفحات کافی تھے۔

ملی اور اجتماعی کارنامے

ملی حفظ و دفاع اور دینی خدمات کے سلسلے کی ایک کڑی مولانا کے وہ کارنامے بھی ہیں جنہیں آپ نے مختلف اداروں اور تنظیمات کی تشکیل کی شکل میں، یا تشکیل شدہ اداروں میں سرگرم حصہ لینے کی شکل میں انجام دیئے تھے۔ ذیل میں ہم اس قسم کے اداروں اور تنظیمات کی سرسری نشان دہی کر رہے ہیں۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس

جیسا کہ معلوم ہے جماعت اہل حدیث کے مجاہدین چمرقند اور اسمس کے مراکز میں اگرچہ ایک خاص نظم کے ساتھ اپنی بساط کے مطابق اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ لیکن اندرون ملک جماعتی تنظیم کی کڑیاں رفتہ رفتہ بکھرتی جا رہی تھیں۔ بہت سارے شعبوں میں جماعتی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ یا چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گئی تھیں۔ اس صورت حال کے مدنظر جماعت کے اکابر علماء نے آرہ کے ایک اجلاس منعقدہ ۶ رذی قعدہ ۱۳۲۴ھ، ۲۲ ردسمبر ۱۹۰۶ء میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بڑے سوز کے ساتھ غور وفکر کیا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ شریک مجلس تھے۔ بلکہ اس غور وفکر کے داعیوں اور محرکوں میں سے

تھے۔ آخر کار کافی بحث وتمحیص کے بعد اس عظیم الشان ادارہ کی تشکیل عمل میں آئی جو ماضی قریب تک ''آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس'' کے نام سے معروف تھا۔ اور اب ''مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند'' کہلاتا ہے۔

اس ادارے کے پہلے صدر آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ قرار پائے۔ اور نظامت کے لیے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ تشکیل کانفرنس کے بعد حسب قرار داد مولانا امرتسری نے، مولانا عبد العزیز صاحب محدث رحیم آبادی کی سرکردگی اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ کی معیت میں ملک کے طول وعرض کا دورہ کیا۔ کانفرنس کے مقاصد کی تبلیغ وتوضیح کی۔ جماعتی تنظیم کی دعوت دی۔ اور انجمنوں کے قیام کی تحریک کی۔ جس کے نتیجہ میں ملک کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے انجمنوں کا جال بچھ گیا۔ اور یہی انجمنیں اس وقت دینی واجتماعی سرگرمیوں کا سب سے اہم ترین مقامی مرکز تھیں۔

مولانا کے ہفت روزہ اخبار اہلحدیث امرتسر کی فائلوں کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اہلحدیث انجمنوں کا قیام پنجاب کے اندر عمل میں آیا تھا۔ اور وہی سب سے زیادہ سرگرم وفعال بھی تھیں۔ قرب مکانی کی وجہ سے مولانا کو بار بار حاضر ہونے اور بالمشافہ گفتگو کرنے کے بھی مواقع زیادہ مہیا تھے۔ شاید یہ ایک چیز بھی مؤثر رہی ہو۔ ویسے ملک کے دیگر حصوں کی انجمنیں بھی کچھ کم فعال نہ تھیں۔ یہ انجمنیں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے منسلک تھیں۔ صوبہ پنجاب میں مولانا نے صوبائی پیمانے پر ان انجمنوں کو ایک نظم میں منسلک کرنے کے لیے ایک ''صدر انجمن اہلحدیث پنجاب'' بھی قائم کی تھی۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے زیر اہتمام بالعموم ہر سال کل ہند پیمانے پر سہ روزہ اجلاس عام ہوا کرتا تھا۔ جسے اس وقت کی ملکی فضا میں تبلیغی حیثیت سے بہت ہی زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ اس قسم کے اجلاس کی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کل ہند پیمانے کے اجلاس کے علاوہ صوبائی، ضلعی، علاقائی اور مقامی جلسوں کی بھی ہماہمی رہتی تھی۔ نشر واشاعت کا کام بھی اچھے پیمانے پر ہو رہا تھا۔ اور کانفرنس کے ماتحت مبلغین ودعاۃ کی پوری ایک ٹیم تھی جو دین اسلام کی سربلندی کے لیے گردش پیہم میں مبتلا رہتی تھی۔

اس کانفرنس کی بدولت پورے ملک کی جماعت ایک محور پر گردش کر رہی تھی، اور مولانا کا ذاتی ہفت روزہ ''اہلحدیث'' اس کے ترجمان بلکہ سرکاری آرگن کا رول ادا کر رہا تھا۔

ملک کے بدلے ہوئے سیاسی اور اجتماعی حالات کے مدنظر جماعت اہلحدیث کے لیے ایک امیر کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا۔ اور ''اہلحدیث'' کے ذریعہ مسلسل تبادلہ خیال اور بحث وتمحیص کے بعد ۷ /ربیع الاول ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۰ /اکتوبر ۱۹۲۱ء کو مسجد مبارک اہلحدیث متصل اسلامیہ کالج لاہور میں ایک نمائندہ جماعتی اجتماع ہوا۔ جس میں آپ کو امیر جماعت منتخب کر لیا گیا اور آپ کانفرنس کی نظامت کے ساتھ ساتھ جماعت کی امارت کے اس منصب پر بھی تاحیات قائم رہے۔

تحریک ندوۃ العلماء میں شرکت

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تحریک ندوۃ العلماء جو ملت کا شعور خفتہ بیدار کرنے اور علمی جمود توڑنے کے لیے آپ کی فراغت کے سال (۱۸۹۲ء میں) کانپور کے اسی اجلاس کے اندر وجود پذیر ہوئی تھی، جس میں آپ کی دستار بندی ہوئی تھی۔ اس تحریک کے آٹھ بنیادی اراکین میں سے ایک آپ بھی تھے اور صغرسنی کے باوجود اپنی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے نہ صرف نمایاں مقام رکھتے تھے بلکہ کچھ عرصہ بعد جب اس تحریک کے حاملین میں شدید ترین اختلاف پھوٹ پڑا اور دو متحارب دھڑے وجود میں آ گئے تو صرف مولانا امرتسری رحمہ اللہ ہی کی شخصیت ایسی تھی جس کی قیادت پر دونوں فریق متفق ہو سکے۔ ۱۰/ مئی ۱۹۱۴ء کی صبح ۸/ بجے ندوہ کے اختلافات کے حل اور بگڑے ہوئے احوال کی اصلاح کے لیے دہلی میں ایک مخصوص جلسہ تھا۔ وقت سے ذرا پہلے حاذق الملک حکیم اجمل خاں نے مولانا کو یہ اطلاع دی کہ جلسہ کی صدارت کے لیے آپ کا نام منتخب ہوا ہے۔ مولانا نے صدارت کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں اس کا اہل ہوں''، حکیم صاحب نے فرمایا ''ہاں'' دوران جلسہ بیشتر اراکین تحریک نے توقع سے زیادہ شور وہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا کی کمال دوراندیشی اور حزم ودانائی کی وجہ سے نظم وضبط اچھی طرح برقرار رہا۔ اس صورت حال سے حکیم اجمل خاں صاحب نے متاثر ہو کر ایک مخصوص مجلس میں فرمایا تھا۔

''ہمیں آپ سے (انتظام کی) توقع تھی مگر اتنی نہ تھی جتنی کہ ظہور پذیر ہوئی۔ ایسا ہی فساد کی بھی اتنی توقع نہ تھی جتنی کہ ہوئی۔''

اس جلسہ میں اندوہ کے اصلاح احوال کے لیے عمائدین قوم کی ایک گیارہ رکنی اصلاحی کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آئی جس کے ایک رکن رکین خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی تھے۔ ❶

جمعیۃ العلماء کی تشکیل

جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء/ ۱۹۱۸ء) کے نتیجہ میں جب ملک نے کئی سیاسی کروٹیں لیں اور طرح طرح کی اتھل پتھل شروع ہوئی تو مولانا نے محسوس کیا کہ اس وقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو ایسی متحدہ اور اجتماعی قیادت کی سخت ترین ضرورت ہے جو دینی و سیاسی بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں مکمل رہنمائی کر سکتی ہو اور اگر اس میں لیت ولعل سے کام لیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ''یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد'' کا معاملہ پیش آجائے گا۔

اس احساس کے تحت آپ نے ۱۹۱۷ء میں ہر فرقے کے علماء کی ایک جمعیۃ تشکیل دیئے جانے کی تحریک کی۔ آپ کی تحریک پر مجلس منعقد ہوئی۔ لوگوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر پیش کیے۔ ووٹنگ ہوئی لیکن ایک دورائے کی کثرت کے سبب یہ تجویز رد کر دی گئی۔ مگر مولانا اس صورت حال سے نہ مایوس ہوئے۔ نہ بددل، تگ و دو جاری رکھی۔ اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے رہے اور لوگوں سے رابطہ قائم رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کی تحریک پر ۱۹۱۹ء میں پھر ایک مجلس منعقد ہوئی۔ جس کا مقام انعقاد شہر دہلی تھا۔ اس مجلس میں کثرت رائے سے جمعیۃ العلماء کی تشکیل عمل میں آگئی۔ آپ نے اپنے شہر امرتسر میں اس کا پہلا اجلاس مدعو کیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے زیر صدارت جمعیۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کا پہلا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا کا جو حصہ تھا، اس کا اندازہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اس فقرے سے کیا جا سکتا ہے کہ

''اب (مجلس میں داخلے کے بعد۔ ص) کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی (کفایت اللہ)

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے اہل حدیث امرتسری ۲۲ رمئی ۱۹۱۳ء، ۲۹ رمئی ۱۹۱۴ء، ۵ رجون ۱۹۱۴ء

صاحب کے پہلو میں مولانا ثناء اللہ تشریف فرما ہیں اور صدارت کے فرائض زبردستی خود ہی انجام دے رہے ہیں۔''

''اور مولانا ثناء اللہ، مفتی صاحب کو بولنے ہی نہیں دیتے تھے اور مداخلت کا گویا ٹھیکہ لیے بیٹھے تھے۔ ❶

بات اگرچہ کسی قدر طویل ہو جائے گی۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگے ہاتھوں اس مقصد کی بھی توضیح کر دی جائے۔ جو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے نزدیک جمعیۃ العلماء کے قیام سے مطلوب تھا۔ مولانا مودودی نے جب یہ بات پوری قوت کے ساتھ پیش کرنی شروع کی کہ مسلمانوں کو اپنا مذہب اخلاقی اور سیاسی نظام قانونِ الٰہی کی بالاتری کی بنیاد پر قائم کرنا چاہیے تو انہوں نے اس وقت کی مسلم تحریکات کا جائزہ لیتے ہوئے جمعیۃ العلماء کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس نے اپنی کوششوں کا مقصود بدل دیا ہے۔ جس سے لازماً راستہ بھی بدل گیا ہے۔ اور یہ راستہ اپنے تمام اجزاء میں اسلام کی راہ راست کے تمام اجزاء سے مختلف ہے۔ ❷ مولانا مودودی کے اس جائزے کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے لکھا۔

''ہمارے خیال میں یہ اشارہ صحیح نہیں ہے۔ میں ابتدا ہی سے جمعیۃ العلماء کا ممبر رہا ہوں بلکہ اگر کہا جائے کہ میں اس جماعت کا محرک اول ہوں تو بے جا نہیں ہے۔ میں نے جمعیۃ العلماء کی تحریک کو مدیر صاحب ترجمان (مولانا مودودی) کی تحریک کے بالکل موافق پایا ہے۔ لفظی ہیر پھیر کو جانے دیجئے۔ اصل مقصود میں دونوں متفق ہیں۔ میں زبانی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ واقعات پیش کرتا ہوں۔''

جمعیۃ العلماء کے جلسۂ دہلی میں (جن دنوں کانگریس کا اجلاس بھی وہیں ہوا تھا) میں نے سب جیکٹ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ آئندہ سوراج کے زمانہ میں مسلمانوں کو اپنا علیحدہ نظام شرعی قائم کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔ دہلی میں بعض ممبروں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ریزولیوشن پاس نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اصل تجویز کے مخالف نہیں۔ بلکہ ہمارا اختلاف اس بنا پر ہے کہ غیر مسلم اس تجویز

---

❶ ذکر آزاد، ص: ۱۷۱-۱۷۶۔ ❷ دیکھیے ضمیمہ سیاسی کشمکش حصہ سوم، ص: ۱۹-۲۰۔

سے بدک جائیں گے۔ اس کے بعد جب لاہور میں مولانا ابولا کلام آزاد کے زیر صدارت جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہوا تو میں نے پھر یہ تجویز پیش کی۔ حسن اتفاق سے اس جلسہ میں مولانا (محمد میر ابراہیم سیالکوٹی) سیالکوٹی بھی شریک تھے۔ انہوں نے میری پرزور تائید کی۔ اور مولانا آزاد کی صدارت نے اس میں مزید قوت پیدا کر دی۔ بہر حال یہ ریزولیوشن کافی اکثریت کی تائید سے پاس ہو کر اخبار الجمعیۃ وغیرہ میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں میں نے گاندھی جی کو خط لکھا کہ سوراج کے زمانہ میں اگر مسلمان اپنا الگ نظام بنانا چاہیں اس پر آپ کو کچھ اعتراض تو نہیں ہوگا۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہر ایک قوم اپنا جداگانہ نظام بنا سکے گی۔

اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء کو اس مقصد کے مخالف سمجھنا میرے خیال میں اپنوں کو بیگانہ سمجھنے کے مترادف ہے پس مدیر صاحب ترجمان (مولانا مودودی صاحب) مطلع رہیں کہ کوئی کلمہ گو مسلمان ان کے اس مقصد کے مخالف نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ [1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کے قیام کی تحریک سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مقصود کیا تھا۔ اور آپ نے اس جمعیۃ سے کیا کیا توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابتداءً قیام نظام شرعی اور پھر آزادی ہند کے سلسلہ میں جمعیۃ العلماء کی مساعی قابل قدر رہیں۔ اور اسی لیے مولانا اس سے وابستہ رہے لیکن رفتہ رفتہ اس جمعیۃ کے قدم اپنے اصل مقاصد سے ہٹ گئے اس لیے اسے مسلمانوں کی نمائندہ قیادت کی اہلیت اور حیثیت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ اور خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے سیاسی رجحانات اور پالیسیاں اس جمعیۃ کے سیاسی رجحانات اور پالیسیوں سے علیحدہ ہو گئیں۔

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۳۰ر جنوری ۱۹۴۲ء ص:۱۱

سیاسی مسلک ورجحان

مولانا کا سیاسی مسلک ورجحان اس اقتباس سے واضح ہے جو ہم نے ابھی پیش کیا ہے۔ مولانا صرف نظریاتی طور پر اس مسلک کے قائل نہ تھے بلکہ عملاً بھی اس کے حصول کی سعی وجہد میں حصہ لیتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کی دو بنیادیں تھیں۔

ایک یہ کہ اجنبی اقتدار کا ملک سے خاتمہ ہو اور اقتدار وحکومت کی باگ دوڑ مکمل طور پر ملک کے باشندوں کے ہاتھ میں آ جائے۔

دوسرے یہ کہ حصول آزادی کے بعد مسلمان اپنے سیاسی اور اجتماعی وانفرادی حقوق کے پورے طور پر خود مالک ومختار اور حاکم ونگراں ہوں۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں بنیادوں پر بیک وقت کام کرنے کے قائل وعامل تھے۔ پہلی بنیاد پر کام کرنے کے لیے چونکہ ایک متحدہ سیاسی تحریک ضروری تھی اور اس کے لیے انڈین نیشنل کانگریس وہ واحد پارٹی تھی جس سے تقریباً تمام ہندو اور مسلم لیڈر اور سیاست دان ابتداءً وابستہ تھے اس لیے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی ابتداءً کانگریس کی جدوجہد میں شریک رہے۔

دوسری بنیاد پر کام کرنے کے لیے مسلم لیگ موزوں ترین پارٹی ہوسکتی تھی جس کی تشکیل ۱۹۰۶ء میں زیر عمل آئی تھی۔ تقریباً وہ تمام بڑے بڑے مسلم لیڈر جو حصول آزادی کی غرض سے کانگریس کے ساتھ وابستہ تھے۔ مسلم حقوق کی نگہداشت کے تعلق سے مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ تھے اور معلوم ہے کہ ان دونوں پارٹیوں میں ابتداءً تصادم کی بجائے تعاون کی فضا پائی جاتی تھی۔ خود مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دوسرے بنیادی مقصد کے حصول کے لیے مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے اخیر میں شہر امرتسر کے اندر حکیم اجمل خاں صاحب کے زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس ہوا اس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

چونکہ حصول آزادی کے ساتھ ساتھ اور مقصدی حیثیت سے اس سے کہیں بڑھ کر اسلامی اقتدار اور نظام شریعت کا قیام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مطمح نظر تھا اس لیے آپ مولانا محمود الحسن صاحب کی سرگرمیوں سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ مجاہدین سرحد کے ساتھ بھی آپ کے خاصے روابط تھے۔ جمعیۃ العلماء کی تشکیل بھی اسی غرض کے لیے کی تھی۔ اور تحریک خلافت کے ساتھ بھی

اسی مقصد سے وابستہ ہوئے تھے۔

سیاسی سلسلے میں آپ کا رویہ ہمیشہ معتدل، متوازن لیکن جرأت مندانہ رہا۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے بعد جب خلافت اور آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا تو اخبار اہلحدیث کے دو صفحات سیاسی تبصروں کے لیے وقف ہو گئے۔ اس دوران ہونے والے بڑے بڑے اجتماعات میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اور فضاؤں کا سکوت ایسے ایسے مواقع پر توڑا جب کہ بڑے بڑے سورما لرزہ براندام اور مہر بلب تھے۔ چنانچہ اخبار سیاست لاہور، پنجاب کے ارباب سیاست علماء کی جرأت کردار و گفتار کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ابو الوفاء ثناء اللہ مدیر اخبار اہلحدیث امرتسر کے سوا کوئی خاص نام مشکل ہی سے بتایا جا سکتا ہے۔ جلسوں میں وقتاً فوقتاً آپ ہی نے (آزادی ملک اور انگریزی حکومت کے غیر عادلانہ رویہ سے متعلق) مختلف مسائل پر اظہار خیالات کیا۔" [1]

آپ کے معتدل اور جرأت مندانہ سیاسی رویہ کی وجہ سے آپ کی شخصیت علمی میدان کی طرح سیاسی میدان میں بھی پروقار تھی۔ اور ملک کے چوٹی کے لیڈر آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ جنگ عظیم اول کے بعد عالم اسلام کی دردناک سیاسی صورت حال کے مدنظر جب ہندوستانی مسلمانوں کی شاہراہ عمل متعین کرنے کے لیے ملک کے تمام مسلم سیاسی اکابرین کا اجتماع ہوا تو اس میں آپ بھی ایک مؤثر ترین سیاسی رکن کی حیثیت سے مدعو اور شریک ہوئے۔

آپ کی پروقار شخصیت جہاں مسلم اکابر کے نزدیک لائق قدر اور باعث کشش تھی وہیں کانگریس کے لیے بھی آپ کی شخصیت میں سیاسی فوائد کے بہت سے پہلو نظر آ رہے تھے اور چونکہ آپ حصول آزادی کے مقصد میں ان کے ساتھ ہم آہنگ تھے اس لیے ضلع امرتسر کی کانگریس پارٹی نے آپ کو اپنی کمیٹی کی صدارت کی پیش کش کی۔ لیکن آپ کو کانگریسی لیڈروں کے رویہ کی بابت کوئی غلط فہمی نہ تھی اس لیے آپ نے نہایت صفائی کے ساتھ فرمایا کہ

"برادران وطن! آپ مجھے ضلع کانگریس کا صدر بنا کر عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور میری پریذیڈنٹی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے جس

---

[1] اہلحدیث ۲/دسمبر ۱۹۲۱ء۔

سیاسی جماعت کی صدارت ایک مسلمان کو سونپ دی ہے وہ مسلم حقوق ومفاد کی ترجمان ونگران ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے میں دیگر بزرگان ملت کی طرح آپ کے جھانسے میں نہیں آسکتا۔“ ❶

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۴ء کی نہرو رپورٹ، ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء کی انتخابی مہموں اور وزارت سازی کے مواقع پر کانگریسی لیڈروں کے جو عزائم کھل کر سامنے آئے تھے انہوں نے مسلم سیاست دانوں کو چونکا دیا تھا اور وہ کانگریس سے خاصے بدگمان اور دل برداشتہ ہوگئے تھے۔ جسے کانگریس نے دور کرنے کے بجائے اپنی بعد کی روش سے اور پختہ ہی کیا۔ مولانا ان حالات سے بے خبر نہ تھے تاہم کوشاں تھے کہ فریقین میں اعتدال پسندی کی فضا عود کر آئے۔

۱۹۳۷ء میں جب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کی حیثیت سے مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالنے کی دعوت دی اور جناح صاحب مرحوم نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونکنی شروع کی تو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی مسلم لیگ کی طرف بڑھتا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں جب کہ مسلم لیگی حلقوں سے تشکیل پاکستان کے نعرے بار بار اٹھ رہے تھے مگر ابھی مسلم لیگ کے پروگرام میں پاکستان کی تشکیل باقاعدہ شامل نہیں ہوئی تھی۔ ایک آریہ اخبار ”آریہ مسافر“ نے ایک پرزور آرٹیکل میں اس نعرہ کو ایک انہونا خواب قرار دیا۔ اس پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

”دین اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے اس لیے ہم اس خواب کے حقیقت ہو جانے سے ناامید نہیں ہو سکتے۔ اللہ کرے یہ خواب سچا ہو جائے۔“ ❷

---

❶ سیرت ثنائی، ص: ۲۹۶، ۲۹۷۔ مصنف سیرت ثنائی نے ان الفاظ کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے مجھے مولانا کی معتدل شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ آپ نے انکار کے لیے یہ تند الفاظ استعمال کیے ہوں گے۔

❷ اہلحدیث امرتسر، ۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء۔

اس سے مولانا کا سیاسی نقطۂ نظر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں باقاعدہ قرار داد پاکستان منظور کی تو مولانا نے اسے ایک سنجیدہ قرار داد سمجھنے کے بجائے محض سیاسی حکمت عملی سمجھا۔ اور ابتداءً اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بہت جلد اس کی واقعیت محسوس کر لی۔ اور اس کی حمایت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح مولانا کا سیاسی نقطۂ نظر مسلم لیگ اور پاکستان کے نظریہ سے ہم آہنگ ہو گیا۔

ہاں! جوش و خروش کے اس دور میں بھی آپ نے اعتدال پسندی ہاتھ سے جانے نہ دی۔ ملکی سیاسیات پر آپ کے تبصرے نہایت ہی متوازن، سنجیدہ اور باریک بینی و دور اندیشی پر مبنی ہوتے۔ آپ اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے کہ سیاسی بکھیڑے جماعت میں تفرقہ اور انتشار کا سبب نہ بن جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ملکی سیاست کے تمام نشیب و فراز میں حصہ لینے کے باوجود آپ پر احیائے دین کا جذبہ اور عمل اس طرح غالب رہا کہ آپ ایک سیاسی لیڈر کے بجائے ایک دینی رہنما کی حیثیت ہی سے متعارف اور مشہور ہوئے۔

بقیہ تگ و دَو

ان ملک گیر تحریکات میں حصہ لینے کے علاوہ آپ نے متعدد چھوٹی بڑی انجمنیں، بزمیں اور جمعیتیں تشکیل کیں یا ان میں بنیادی اہمیت کا کردار ادا کیا۔ اور ان کے ذریعہ اسلام، اہل اسلام اور مسلم معاشرے کی مختلف النوع خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں ''محمدیہ کمپنی، انجمن صادقین، جمعیۃ اتحاد العلماء یا جمعیۃ اتحاد المسلمین، نماز کمیٹی، اہلحدیث تجارتی کمپنی، جمعیۃ اشاعت اسلام پنجاب، جمعیۃ تبلیغ اہلحدیث پنجاب، بزم توحید وغیرہ'' خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔

داخلی فتنہ

تمام بڑے بڑے مصلحین امت کی طرح آپ کو بھی کچھ شدید داخلی فتنوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ چونکہ ابتداء ہی سے فن مناظرہ کی طرف فطری میلان رکھتے تھے۔ اور مناظرے میں اپنے مذہبی مسلمات بھی مخالف کے سامنے معقول رنگ میں اور عقلی دلائل کے ساتھ ہی پیش کیے جا سکتے ہیں اس لیے آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''تفسیر

القرآن بکلام الرحمٰن" میں متعدد آیات صفات کی تفسیر سلف صالحین کی عام روش "تفویض" سے ہٹ کر مؤولین کے طریق پر عقلی انداز سے کی۔ ۱۹۰۳ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے چالیس مقامات پر تعاقب کرتے ہوئے ایک رسالہ "الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذھب المحدثین" لکھا۔ اور اس پر چیدہ چیدہ علماء سے دستخط حاصل کر کے اسے شائع کر دیا۔ اس رسالہ میں مذکورہ اغلاط کی بنیاد پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت اہلحدیث سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں "الکلام المبین" نامی ایک رسالہ لکھا۔ اور "الاربعین" کی بھرپور تردید کی۔ لیکن یہ نزاع بہت جلد آگے بڑھ گئی اور علماء کا ایک طبقہ آپ کے خلاف ہو گیا۔

ایک سال بعد ۱۹۰۴ء میں آرہ (صوبہ بہار) کے اندر جماعت اہلحدیث کا بہت بڑے پیمانے پر جلسہ ہوا اس میں اس گتھی کو بھی سلجھانے کی کوشش کی گئی۔ فریقین نے ہندوستان کے اطراف واکناف سے جمع شدہ اکابر علمائے اہلحدیث کو حکم مانا۔ حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی صاحب عون المعبود، وغایۃ المقصود، مولانا شاہ محمد عین الحق صاحب ساکن چھپرہ (بہار) ان تین بزرگوں پر مشتمل ایک بورڈ جملہ مسائل کے فیصلے کے لیے بالاتفاق مقرر کر دیا گیا۔ ان تینوں بزرگوں نے کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ

"اربعین کی چالیس اغلاط میں سے صرف چودہ تعاقب صحیح ہیں اور ان چودہ اغلاط کی وجہ سے مولوی ثناء اللہ اہلحدیث جماعت سے خارج نہیں۔"

حج بیت اللہ

۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اس سے ایک سال پہلے ہی آپ نے حج کا عزم بالجزم کر رکھا تھا۔ لیکن نجدی شریفی جنگ کے نتیجے میں حجاز کے مخدوش حالات کے سبب سفر کرنا تقریباً ناممکن تھا اس لیے ایک سال کی تاخیر کرنی پڑی۔ ۱۹۲۶ء میں آپ نے روانگی سے کوئی ساڑھے تین ماہ پہلے ۸ رجنوری ۱۹۲۶ء کے ہفت روزہ اہلحدیث میں اپنے ارادۂ حج کا اعلان کر دیا۔ تاکہ جن لوگوں کو آپ کی رفاقت مطلوب یا منظور ہو تیار ہو جائیں

اور ایک منظم قافلہ کی شکل میں روانگی ہو۔ اور اگر تعداد زیادہ ہو تو پورا جہاز ہی ریزرو کرالیں۔ اس اعلان کے نتیجے میں ۳۸۳/افراد کا قافلہ تیار ہو گیا۔ جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر بمبئی اور کراچی دو الگ الگ جگہوں سے دو الگ الگ جہازوں میں روانہ ہو سکا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ۲۶/اپریل ۱۹۲۶ء کو امرتسر سے رخصت ہوئے اور ۳۰/اپریل کو کراچی سے آپ کا جہاز سوئے حجاز روانہ ہوا۔

حجاز ابھی تازہ بتازہ فتح ہوا تھا۔ یہ عالم اسلام کا مقدس خطہ اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی میراث تھا جو بطور امانت ملک عبدالعزیز کے دست تصرف میں آیا تھا۔ اس لیے ملک عبدالعزیز نے اس کے انتظامات کی نوعیت کو آخری شکل دینے کے لیے اسی سال حج کے موقع پر ایک اسلامی موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس میں عالم اسلام کے تقریباً ۶۰/نمائندے مدعو تھے۔ ہندوستان کی تین جماعتوں کو نمائندگی دی گئی تھی۔ ① آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس، ② جمعیۃ العلماء ہند، ③ خلافت کمیٹی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے نمائندے کی حیثیت سے مدعو تھے۔ اس لیے حجاز پہنچتے ہی آپ کو شاہی مہمان بنالیا گیا اور ملک عبدالعزیز نے کئی بار آپ سے خصوصیت کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ مولانا محمد صاحب جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ موتمر اسلامی میں حج کے لیے ایک باضابطہ محکمہ بنانے کا فیصلہ آپ ہی کی تجویز پر ہوا تھا۔

فرائض حج کی ادائیگی اور زیارت حرمین سے شرف یاب ہو کر آپ ۸/اگست ۱۹۲۶ء کو جدہ سے عازم وطن ہوئے۔ ۸/اگست کو کراچی کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا۔ اور آپ ۲۰/اگست کو امرتسر وارد ہوئے۔ روانگی اور واپسی دونوں موقعوں پر آپ کو آپ کے شایان شان مبارکباد دی گئی اور الوداعیہ واستقبالیہ پیش کیا گیا۔

قاتلانہ حملہ

۴/نومبر ۱۹۳۷ء کو آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء میں امرتسر کے بریلوی احناف نے ایک نومبر سے ۳/نومبر تک ''عرس امام ابوحنیفہ'' کے نام سے سالانہ جلسہ کیا

یہ جلسہ ہر سال ہوا کرتا تھا۔ مگر ۱۹۳۷ء کے جلسے میں بریلوی مقررین نے جماعت اہلحدیث کے خلاف عموماً اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف خصوصاً بڑی زہرناک اور اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ یہاں تک فرمایا کہ ''وہابی کو مارنے والا سو شہیدوں کا ثواب پاتا ہے۔'' اور ''جو وہابی کے سر پر ایک جوتا مارے اسے ایک حور ملے گی۔''

اس کے جواب میں جماعت اہلحدیث امرتسر نے ۴؍نومبر ۱۹۳۷ کو مسجد مبارک کٹرہ مہمان سنگھ امرتسر میں ایک جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ شام کو چار بجے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پوتے مولوی رضاء اللہ اور دو اور رفیقوں کے ساتھ جلسہ میں شرکت کے لیے بذریعہ تانگہ مسجد مبارک کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ابھی آپ مسجد کے دروازہ کے سامنے اترے ہی تھے کہ قمر بیگ نامی ایک بریلوی نوجوان نے ''یارسول اللہ'' کا نعرہ لگا کر تلوار جیسے تیز تبر (گنڈاسے) سے آپ کے سر کے پچھلے حصہ پر دائیں جانب پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ جس سے آپ کی پگڑی اور سخت کلاہ کٹ کر تقریباً چار انچ لمبا اور ہڈی کی جڑ تک گہرا زخم آیا۔ زخم لگتے ہی آپ حملہ آور کی جانب مڑے۔ اتنے میں بابو عبدالمجید صاحب سیکریٹری انجمن اہلحدیث امرتسر نے (جو آپ کے ہمراہ تھے) حملہ آور کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن اسی حالت میں اس نے ایک اور وار سامنے چہرے پر کر دیا۔ گرفت میں ہونے کی وجہ سے یہ وار کمزور پڑا۔ تاہم پیشانی سے ناک تک بائیں جانب ۳؍ ۴ انچ لمبا زخم آیا۔ اس صدمہ سے مولانا زمین پر گر پڑے۔ لیکن فوراً ہی سنبھل کر ایک دوکان پر کھڑے ہو گئے۔

اس اثناء میں بابو عبدالمجید صاحب حملہ آور سے ہتھیار چھین کر خود حملہ آور کو بھی اچھی طرح گرفت میں لے چکے تھے۔ لیکن اس کے چند ساتھیوں نے (جو پہلے ہی سے پلان کے مطابق وہاں سامعین کی شکل میں موجود تھے) اسے چھڑا کر بھگا دیا۔

زخمی ہونے کے بعد مولانا کو سول ہسپتال لے جایا گیا۔ معائنہ ہوا، ٹانکے لگے، اور مناسب جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے گھر لائے گئے اس اثناء میں پولیس نے بھی اپنے اندراجات مکمل کر لیے۔

معائنہ اور رپورٹ کی کارروائیوں میں چار گھنٹے لگے اور اس دوران زخموں سے مسلسل

خون بہتا اور رستا رہا۔ چہرہ اور کپڑا لہولہان تھا۔ لیکن ستر سال کے بڑھاپے کے باوجود اتنے شدید زخم کا جو اثر آپ پر ہوا تھا وہ آپ ہی کے الفاظ میں یہ تھا۔

''باوجود سخت زخم لگنے کے بتصرف الٰہی مجھے کانٹا چبھنے جتنی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں جسمانی ضعف اس قدر تھا کہ بول نہیں سکتا تھا۔'' ❶

حملہ کے فوراً بعد سے آپ حدیث شریف کا یہ فقرہ بار بار دہراتے۔ ''وفی سبیل الله ما لقیت'' دریافت احوال پر فرماتے۔ ''اللہ انہیں ہدایت کرے۔ فانهم لا يعلمون'' احباب زندگی کی سلامتی پر مبارکباد دیتے تو فرماتے:

''شہادت کے سارے سامان مہیا ہو گئے تھے۔ میری کم نصیبی تھی کہ مجھے شہادت میسر نہ ہوئی۔''

اور یہ شعر پڑھتے تھے ۔

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل نہ ہوا ❷

حملہ کے بعد رات بھر آپ سو نہ سکے تھے تاہم دل میں نہ کسی قسم کی گھبراہٹ تھی نہ پریشانی، علی الصبح دم مولانا سیالکوٹی وارد ہوئے، مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

صبح سویرے چند احباب عیادت کو بیٹھے تھے۔ آواز آئی کہ مولوی ابراہیم آ گئے۔ میں نے جو دیکھا تو بے ساختہ منہ سے نکلا ۔

دیکھ لو خستہ جان کی صورت

مولانا چشم پرنم مجھ سے لپٹ گئے۔ ان کے لپٹنے سے مجھے وہی راحت ہوئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسفی کرتے سے ہوئی تھی۔ ❸

بہر حال مولانا سیالکوٹی نے احباب وزائرین کو رخصت کیا۔ اور مولانا کو ایک علیحدہ کمرہ میں نیند آور دوا پلا کر سلا دیا۔ اور اس جگہ خود نگراں بن رہے۔ مولانا خوب سوئے۔ اور عصر کے قریب بیدار ہوئے اس طرح افاقے کا آغاز ہو گیا۔ کوئی ایک ماہ بعد زخم مندمل ہو گئے اور آپ

---

❶ شمع توحید، ص:۵۸۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء ❸ شمع توحید، ص:۵۸

نے حسب معمول اپنا کام سنبھال لیا۔

حملے کی خبر آناً فاناً پورے ملک میں پھیل گئی۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ سے حملے کی مذمت اور حکومت سے مناسب کارروائی کے مطالبے کی قراردادوں کا تانتا بندھ گیا۔ ❶

تقریباً تین ماہ بعد حملہ آور کلکتہ سے گرفتار ہوا۔ اور ۲۷/جنوری ۱۹۳۸ء کو امرتسر لایا گیا۔ حکومت نے مقدمہ چلایا۔ اور ۶/اپریل ۱۹۳۸ء کو عدالت نے چار سال قید بامشقت کی سزا کا فیصلہ سنایا۔ ❷ جس کے مطابق مجرم، محبوس زندان کر دیا گیا۔ مولانا کی انسانیت نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ مجرم کی اس کیفیت پر مسرت وشادمانی کے بجائے اذیت والم محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ لکھا۔

> ''میں سچ کہتا ہوں میں ٹھنڈے مکان میں بجلی کے پنکھے کی ہوا لیتا ہوں۔ ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو مجھے مجرم کی حالت پر رحم آتا ہے وہ جیل میں کس طرح وقت گزارتا ہو گا۔ اللہ اسے توبہ کی توفیق بخشے۔'' ❸

مولانا کا یہ بیان کسی تصنع پر مبنی نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے حملہ آور کے ساتھ اس سے کہیں بڑھ کر بے پایاں حسن سلوک سے پیش آئے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ایک بزرگ حکیم محمد عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کسی قیدی کے ذریعہ قمر بیگ کا یہ پیغام ملا کہ میں نے جذباتی تقریروں سے متاثر ہو کر ایک نیک اور باخدا عالم پر حملہ کر دیا۔ اب اللہ کے غضب کا ڈر ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب مولانا ثناء اللہ سے مجھے معافی دلوا دیں تو مجھے طمانیت وسکون حاصل ہو جائے گا۔ حکیم صاحب قمر بیگ کی خواہش پر مولانا سے اس کا قصور معاف کرانے گئے۔ لیکن مولانا کے ہونٹوں پر ان کی معروضات سن کر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ خاموش ہو رہے۔ حکیم صاحب کو مولانا جیسے وسیع الظرف اور کشادہ دل انسان کی خاموشی پر حیرت ہوئی۔ اور کوئی تیس برس بعد اس کا عقدہ حل ہوا۔ حکیم صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

---

❶ تفصیلات اہلحدیث امرتسر ۱۲/نومبر ۱۹۳۷ء اور اس کے بعد شماروں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

❷ یہ فیصلہ رسالہ شمع توحید کے صفحات پر مکمل درج ہے۔

❸ اہلحدیث امرتسر ۳/جون ۱۹۳۸ء، ص: ۱۴۔

"میری اس حیرانی کو گزشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے برادرم مولانا عبد الرشید صدیقی (ملتان) کے ذریعہ دور فرمایا............

واقع یہ ہے کہ جب قمر بیگ قید ہو گیا تو حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں کسی طرح یہ بات آ گئی کہ قمر بیگ کے بعد ان کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ اور ان کی معاشی حالت بالکل خراب ہے تو آپ نے نہایت خاموشی سے ان کی ماہانہ وظیفہ کی شکل میں امداد کرنا شروع کر دی۔ اور زندگی بھر اپنے اس نیک عمل کو چھپائے رکھا۔ مگر قمر بیگ کو جیل ہی میں اس احسان کا علم ہو گیا اور وہ بے حد نادم ہوا۔

صدیقی صاحب کا بیان ہے کہ قمر بیگ مولانا کی تربت پر اکثر جاتا ہے۔ اور ان کے حق میں دعائیں مانگ کر آتا ہے۔ ❶

آخری ایام

مولانا کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایسے حوادث پیش آئے جنھوں نے آپ کی عظیم الشان خوبیوں اور مخفی کمالات کے منور اور تابناک چہرے سے پردہ ہٹا دیا۔ یعنی صبر و قناعت، رضا بالقضا، انابت الی اللہ، توکل علی اللہ، تفویض الی اللہ اور خلق اللہ کے ساتھ بے پایاں ہمدردی و محبت، مشتبہات سے اجتناب وغیرہ میں آپ کی یکتائی و انفرادیت کے عجیب عجیب مناظر سامنے آئے۔

تقسیم ہند کے یقینی ہو جانے کے بعد مارچ ۱۹۴۷ء سے مشرقی پنجاب میں فسادات کی جو لہر چل پڑی تھی اور ۳/ مئی ۱۹۴۷ء کے فیصلہ تقسیم کے بعد اگست و ستمبر ۱۹۴۷ء تک مسلم کشی کو جو قیامت خیز ہنگامہ بپا رہا اسے قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں، امرتسر بھی تمام فرقوں کے سربراہوں کی طرف سے بقائے امن کی جان توڑ کوششوں کے باوجود فساد کی ان طوفانی لہروں کی زد میں آ چکا تھا۔ مولانا نے اس سے پہلے کئی بار فسادات کی روک تھام اور قیام امن کی موثر کوششیں کی تھیں اور اپنی پر وقار و قابل احترام شخصیت کی وجہ سے کامیاب بھی رہے تھے۔ اب کی دفعہ (۱۹۴۷ء) بھی آپ نے فسادات روکنے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن قطعی ناکامی دیکھی تو عازمین

---

❶ المنبر لائل پور ۲۷/ ستمبر و ۴/ اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص ۶ بحوالہ نقیب ۱۳/ جنوری ۱۹۶۸ء، ص: ۱۰۔

ہجرت کے ساتھ سرزمین پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ اور اس کی عملی تدابیر میں مصروف ہو گئے۔ جس گلی میں آپ کا مکان تھا ۱۳/ اگست (۱۹۴۷ء) کو اس گلی کے قریب سے ہندو اور سکھ بلوائیوں کا ایک جتھا گزرا۔ آغاز فساد ہی سے اس گلی کے حفظ و دفاع کا انتظام آپ کے اکلوتے فرزند مولوی عطاء اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ بلوائیوں میں سے کسی نے دستی بم پھینکا۔ جو مولوی عطاء اللہ کے بالکل قریب پھٹا۔ وہ شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ موصوف روزہ سے تھے۔ اور اسی حالت میں تھوڑی دیر بعد عصر کے وقت شہید ہو گئے۔ مولانا نے اسی وقت مسجد اہلحدیث میں نماز جنازہ پڑھائی۔ شہر میں ہر سو قتل و غارت کا ہنگامہ بپا تھا۔ اس لیے بمشکل تمام میت قبرستان تک لے جائی جا سکی۔ اور تدفین عمل میں آ سکی۔ مولانا کے صرف یہی ایک صاحبزادے تھے جو اس نازک ترین مرحلے میں داغ مفارقت دے گئے۔

مولانا کا مکان چونکہ نہایت پر خطر مقام پر واقع تھا اس لیے احباب کے حسب مشورہ آپ اسی روز اوائل شب میں مکان اور سارا اثاثہ چھوڑ کر اہل و عیال سمیت قدرے محفوظ جگہ منتقل ہو گئے۔ آپ اور آپ کے عیال نے جو معمولی سا لباس زیب تن کر رکھا تھا اس کے علاوہ صرف پچاس روپے نقدی آپ نے جیب میں رکھ لیے تھے۔ لاکھوں روپے کی مالیت کے سامان یعنی پریس، انمول کتب خانہ، زیورات، نقد و جنس اور گھریلو اسباب وغیرہ سب کچھ اپنی جگہ پڑا رہا۔ رات کی تاریکی میں بلوائیوں نے حملہ کیا۔ اور دیکھتے دیکھتے سب کچھ لوٹ لیا۔ کتب خانہ اور مکان نذر آتش کر دیا۔

۱۴/ اگست کو آپ بمشکل تمام لاہور پہنچے۔ چند دن بعد جماعت اہلحدیث گوجرانوالہ کی گزارش پر وہاں منتقل ہو گئے۔ یہاں آپ کے ورع کا یہ حال تھا کہ لوٹ مار کے مال کو ہاتھ لگانا تو در کنار اگر کسی کے پاس سے کوئی ہدیہ، تحفہ یا عطیہ آتا تو اس بات کے کامل اطمینان کر لینے کے بعد ہی اسے قبول فرماتے کہ غیر مسلموں کا مال نہیں ہے بلکہ جائز کمائی سے دیا جانے والا دوستانہ ہدیہ ہے۔ زکوٰۃ، عسرت و مصیبت کی اس مشکل ترین گھڑی میں بھی لینی گوارا نہ کی۔ اور ہدایا و تحائف کا بڑا حصہ بھی اپنے بجائے دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کیا۔ اور خود خوراک و پوشاک کی نہایت ہی معمولی اور خستہ حالت پر قناعت کی۔

کوئی ساڑھے تین ماہ بعد وسط جنوری میں مستقل قیام کے ارادے سے سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو رہائشی مکان اور ایک پریس فراہم کر دیا گیا تھا۔

پے در پے مصائب ومشکلات کے بعد کسی قدر اطمینان کا سانس لینے کی مہلت ملی تو آپ نے پھر تبلیغ دین اور اصلاح امت کی پچھلی سرگرمیوں کو زندہ کرنے اور اخبار اہلحدیث کو دوبارہ جاری کرنے کا قصد فرمایا۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ عیسائیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ قادیانی جماعت علمی میدان سے مکمل طور پر پسپا ہو چکی تھی۔ اور اب زیر زمین تحریک کی شکل اختیار کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ جس سے نمٹنا آپ کا کام نہ تھا۔ آریوں کے ہنگامے خاموش ہو چکے تھے اور پاکستان میں ان کے سر اٹھانے کا سوال نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض آپ کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ اور آپ خود بھی عمر طبعی کی آخری منازل سے گذر رہے تھے۔ قدرت نے آپ کو ۸۰ رسال کی بابرکت اور جہد وعمل سے بھرپور زندگی عطا فرمائی تھی۔ اب اس کی طرف سے بلاوا آ گیا۔

سرگودھا منتقل ہوئے بمشکل ایک ماہ گذرا ہوگا کہ ۱۲ رفروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور ایک ماہ تین دن بعد ۱۵ ر مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۳ رجمادی الاولی ۱۳۶۷ھ یوم دو شنبہ) کو آپ اس دار فانی سے ہمیشہ کے لیے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا نے ایک بار ایک خاص مناسبت سے ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کے اہلحدیث میں اپنی یہ دعا اور آرزو سپرد قلم کی تھی۔

مرا جنازہ جو نکلے تو اس طرح نکلے
کہ ہوں جنازے پہ سارے موحد و مومن

آج آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی سرگودھا کے اہل توحید اور اہل ایمان نے آپ کو سپرد خاک کیا۔ آپ اپنی زندگی میں ایک اور شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ

مارا دیارِ غیر میں لاکر وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

آج یہ شعر بھی اپنی پوری صداقت کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ، واکرم نزلہ، ووسع مدخلہ، وادخلہ الجنۃ، واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار۔

پس ماندگان میں سے آپ کی اہلیہ بھی آپ کے تین ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔ غفر اللہ لہا والحقہا بفقیدھا

سراپا ❶

متوسط جسم، اٹھتا ہوا قد، گورا چٹا رنگ، گولائی لیے ہوئے کتابی چہرہ، جس پر ایمانی شرف و وجاہت کی جگمگاتی ہوئی شعاعیں، خوبصورت ناک نقشہ، تجربات زمانہ کی امین آنکھیں، کشادہ پیشانی، بھرپور اور خوبصورت داڑھی، بڑھاپے کے سبب کسی قدر لٹکتی ہوئی بھویں، ہاتھ میں چھڑی، لمبا کرتا جس کے اوپر کبھی کبھی زیب دیتی ہوئی عبایا کوٹ، سر پر کلاہ و عمامہ، پاؤں میں پنجابی جوتا آواز میں بے پناہ تاثیر، کلام میں حلاوت و شیرینی اور نرمی، حرف ش کی ادائیگی اتنی عمدہ کہ گویا زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ شفقت و محبت کا مصدر اور لطافت و ظرافت کا پیکر، یہ تھا اس مجاہد جلیل کا سراپا جو اعلائے کلمۃ اللہ کی مسلسل تگ و تاز میں اپنی پوری زندگی گذار کر ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین کا نقش جاوداں ثبت کر گیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام

اولاد و احفاد

مولانا کے صاحبزادگان کی صحیح تعداد کا علم نہ ہو سکا۔ ایک بچہ ۵؍ جولائی ۱۹۱۱ء کو پیدا ہو کر گیارہویں دن ۱۵؍ جولائی ۱۹۱۱ء کو فوت ہو گیا۔ ❷ ایک اور بچہ ۱۲؍ اپریل ۱۹۱۹ء کو پیدا ہو کر ۲۸؍ اپریل سنہ مذکورہ کو فوت ہو گیا۔ ❸ مولانا کے ایک اور بیان سے مزید دو صاحبزادگان کی پیدائش کا علم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

میرے والد کی اولاد تین لڑکے ابراہیم، صدیق، ثناء اللہ اور ایک لڑکی رہی تھیں دونوں بڑے بھائی تو بے اولاد فوت ہو گئے۔ بہن کی اولاد اور اولاد کی اولاد زندہ ہے۔ بھائی ابراہیم بڑا موحد پکا اہلحدیث تھا شاید اسی کے عوض مجھے ابراہیم دیا۔ اور صدیق کے عوض دوسرا صدیق عنایت کیا۔ ❹

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے مولوی عطاء اللہ حیات رہے جنہیں ۱۳؍ اگست ۱۹۴۷ء کو شہید کر دیا گیا۔

---

❶ اس عنوان کی تفصیلات کچھ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے شمارے سے ماخوذ ہیں اور کچھ میں نے اپنے والد محترم اور بعض ثقہ رفقاء سے سنی ہیں۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۱۴، ۲۱ جولائی ۱۹۱۱ء۔
❸ اہلحدیث امرتسر ۲؍ مئی ۱۹۱۹ء۔ ❹ ایضاً ۱۴؍ جون ۱۹۱۸ء۔

مولوی عطاء اللہ مرحوم کے چار لڑکے تھے۔ رضاء اللہ، ذکاء اللہ، بہاء اللہ، ضیاء اللہ، ہجرت کے وقت مولانا کے یہ چاروں پوتے ہمرکاب تھے۔ سرگودھا میں انہیں بڑی عزت واحترام اور قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۹۶۲ء میں سرگودھا ہی کے اندر ایک قادیانی سب انسپکٹر احسان اللہ پرویز نے قادیانیوں کی سوچی سمجھی سازش کے تحت دن دھاڑے اچانک مکان میں گھس کر دونوں بچے بھائیوں مولوی ذکاء اللہ اور مسٹر بہاء اللہ کو شہید کر دیا۔ قاتل گرفتار ہوا۔ لیکن اسے ایک مقدمہ میں شہادت کے لیے پشاور لے جایا گیا اور وہ وہاں پولیس کی حراست سے پراسرار طور پر فرار ہو گیا۔ یہ قاتل آج تک پاکستان کے سرحدی علاقے میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اور حکومت پاکستان بے حس پڑی ہوئی ہے۔

مولانا رضاء اللہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ رحمانیہ دہلی کے فارغ تھے۔ اور امرتسر کے زمانہ قیام تک فتویٰ نویسی میں اپنے دادا مولانا امرتسری کے دست راست رہے۔ پچھلے دنوں ۲۲/اپریل ۱۹۷۵ء ۹/ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ کو میو ہسپتال لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اب سب سے چھوٹے پوتے ضیاء اللہ باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تا دیر سلامت رکھے۔

مولوی عطاء اللہ شہید کے علاوہ مولانا کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں جن کے حالات کا اب ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

فاتح قادیان کی فاتحانہ سرگرمیاں

مرزا صاحب سے تصادم کا آغاز وارتقا

جیسا کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحی تفصیلات سے ظاہر ہے مرزا صاحب قادیانی کے دعوائے مسیحیت (جنوری ۱۸۹۱ء) کے وقت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ طالب علم تھے اور اس دعویٰ کے ظہور کے کوئی ڈیڑھ سال بعد تحصیل علم سے فارغ ہو کر امرتسر تشریف لائے تھے۔ اس وقت آپ کے اساتذہ اور کبار علماء مرزا صاحب کی عیاریوں کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ اس لیے طبعی طور پر اس فتنے کے ابتدائی دور میں مولانا کی سرگرمیاں کسی بڑے پیمانے پر نہیں جانی جا سکیں۔ لیکن بدو شعور ہی سے آپ کے اندر اسلام اور اہل اسلام کو کامیاب و کامران اور سر بلند دیکھنے کی جو آرزو کارفرما تھی اس نے آپ کو مرزا صاحب سے بیگانہ بھی نہ رہنے دیا پہلے پہل جب مرزا صاحب نے نہایت ''معصومانہ'' انداز سے حمایت اسلام کا بیڑہ اٹھایا تھا تو دیگر علماء کی طرح آپ کو بھی ان سے ایک گونہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن جب مرزا صاحب کا خبث باطن منظر عام پر آ گیا تو آپ بھی ان کے خلاف میدان کارزار میں کود پڑے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دیگر علماء کرام سے آگے نکل گئے۔ ان دونوں کیفیات کی تفصیل مولانا نے خود بیان فرمائی ہے۔

مرزا صاحب سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی ملاقات

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے متعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک، اور براہین سے بعد، براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۸،۱۷ سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔ [1] ان دنوں مرزا

---

[1] بٹالہ سے قادیان کا فاصلہ گیارہ میل ہے۔

صاحب ایک معمولی مصنف کی حیثیت میں تھے۔ مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے جو وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کی بابت خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدل ہو گئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں، یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ تھا۔ فوراً میرے دل میں آیا کہ انہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی۔ کیا وجہ ہے؟ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا۔ اس لیے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔ [1]

مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا ردعمل

یہ تو اس وقت کی بات ہوئی۔ جب مولانا محض ایک طالب علم اور مرزا صاحب محض ایک مبلغ اسلام تھے۔ لیکن جب مرزا صاحب دعوائے مسیحیت کے ساتھ جلوہ طراز ہو گئے تو اس پر مولانا کے جو کچھ تاثرات تھے انہیں مولانا ہی کے الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب سے دعوی مسیحیت موعودہ کا کیا ہے فقیر (مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ) ان کے دعاوی کی نسبت بڑے غور وفکر سے تامل کرتا رہا۔ اور ان کے ہوا خواہوں کی تحریریں جہاں تک دستیاب ہوئیں عموماً دیکھیں، استخارات سے کام لیا۔ مباحثات ومناظرات کیے۔

ایک دفعہ کا واقعہ خاص قابل ذکر ہے کہ حکیم نورالدین صاحب سے بمقام امرتسر رات کے وقت تخلیہ میں کئی گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ بحث و مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا آپ حسب تحریر مرزا صاحب مندرجہ رسالہ نشان آسمانی [2] استخارہ کیجئے۔ اللہ کو جو منظور ہوگا۔ آپ پر کھل جائے گا۔

ہر چند میں ایسے استخاروں اور خوابوں پر بمقابلہ نصوص شرعیہ کے اعتماد اور اعتبار کرنا ضمناً دعوی عصمت یا مساوات معصوم بلکہ برتری کے برابر جانتا تھا، تاہم ایک محقق کے لیے کسی جائز

---

1. تاریخ مرزا طبع ششم ص ۶۹۔
2. یہ رسالہ ۲۶ رمئی ۱۸۹۲ء کو پہلی بار طبع ہوا تھا۔

طریق فیصلہ پر عمل نہ کرنا جیسا کچھ شاق ہوتا ہے مجھے بھی ناگوار تھا کہ میں حسب تحریر مرزا جی ان کی نسبت استخارہ نہ کروں، چنانچہ میں نے پندرہ روزہ حسب تحریر نشان آسمانی، مصنفہ مرزا جی استخارہ کیا۔ اور میرا رب جانتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے صفائی میں کوئی کسر نہ رکھی۔ بالکل رنج اور کدورت کو الگ کر کے نہایت تضرع کے ساتھ جناب باری میں دعائیں کیں۔ بلکہ جتنے دنوں تک استخارہ کرتا رہا اتنے دنوں تک مرزا جی کے بارے میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے مباحثہ یا مناظرہ بھی کیا ہو۔ آخر چودھویں رات میں نے مرزا جی کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تنگ مکان میں سفید فرش پر بیٹھے ہیں۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ آپ کی مسیحیت کے دلائل کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم دو زینے چھوڑ جاتے ہو۔ پہلے حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ، دوئم عدم رجوع کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان دونوں کو طے شدہ ہی سمجھئے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ میں جتنے لفظوں کی حقیقت محال ہے ان کو چھوڑ کر حسب قاعدہ علمیہ باقی الفاظ میں مہما امکن مجاز کیوں مراد ہے۔ یعنی اگر بجائے مسیح کے مثیل مسیح بھی آئے تو ان مقامات پر جہاں کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے کیوں نہ آئے۔ کیونکہ ان مقامات پر مسیح یا مثیل مسیح کا آنا محال نہیں۔ اس کا جواب مرزا صاحب نے ابھی دیا ہی نہ تھا کہ دو آدمی اور آ گئے۔ ان کی آؤ بھگت میں ہم دونوں ایک دوسرے کی مواجہت سے ذرا الگ ہوئے تو مرزا جی کو دیکھتا ہوں کہ لکھنؤ کے شہدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور داڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئی ہے۔ سخت حیرانی ہوئی۔ اسی حیرانی میں بیدار ہو گیا۔ جس کی تعبیر میرے ذہن میں آئی کہ مرزا کا انجام اچھا نہیں۔ [1]

ردِ قادیانیت کا آغاز وارتقا

اس اقتباس سے ایک طرف یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی دلائل وشواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا صاحب کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب خوب جانچا، لیکن انہیں ہر معیار پر کھوٹا، غلط اور پرفریب پایا۔

دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اس مذکورہ استخارے سے پہلے بھی مرزا

---

[1] الہامات مرزا طبع ثالث ص ۴، ۵، ۶

صاحب کے دعوے کی بابت بحث ومباحثہ کا سلسلہ خاصی گرمجوشی کے ساتھ جاری کر رکھا تھا اور اس استخارے کے بعد بھی۔ متعدد قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ استخارہ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان کسی وقت کیا گیا تھا۔ اس لیے سمجھنا چاہئے کہ مولانا نے تعلیم سے فارغ ہو کر واپس آتے ہی مرزا صاحب کی تردید کا محاذ سنبھال لیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے اس ابتدائی دور میں جو اقدامات کئے اور جن مواقع پر کئے سخت افسوس ہے کہ ہماری دانست کی حد تک اب ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے تاہم ان کی اہمیت کا اندازہ اس طرز تخاطب سے لگایا جا سکتا ہے جو مرزا صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے بالمقابل اختیار کیا تھا۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں انجام آتھم لکھی اس میں اپنے مکذبین پر بری طرح برسے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ وہی عوام کالانعام کو پلایا۔ (روحانی خزائن ص ۲۱، ج ۱۱)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر مرزا صاحب نے اپنے اشد اور نامی مخالفین میں مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے پہلو بہ پہلو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا نام بھی لکھا ہے۔ اور ان تینوں کی بابت ارشاد فرمایا ہے کہ۔

"یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں۔" (روحانی خزائن ص ۳۰۹، ج ۱۱)

اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ کے حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہی مرزائیت کی تردید میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی سرگرمیاں اس مقام کو پہنچ چکی تھیں کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے درمیان مباہلہ کے لیے سلسلہ جنبانی اور خط و کتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ میں بھی مرزا صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور دیگر علماء کو دعوت مباہلہ دی ہے۔ (روحانی خزائن ص ۳۰۴، ج ۱۱) یہ الگ بات ہے کہ جب یہ علماء مباہلہ کے لیے مدمقابل آئے تو مرزا صاحب صاف مکر گئے۔

انجام آتھم کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مرزا صاحب کی پیشینگوئی کے

مطابق ۵؍ستمبر ۱۸۹۴ء تک مرجانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود زندہ رہا۔ اس پر علمائے کرام اور عامۃ المسلمین نے مرزا جی کی وہ درگت بنائی کہ منہ دکھانا مشکل ہوگیا۔ لیکن تقریباً مزید دو سال بعد ۲۷؍جولائی ۱۸۹۶ء کو آتھم وفات پا گیا تو مرزا صاحب نے جھٹ انجام آتھم لکھی اور اپنی لمبی چوڑی بکواس کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف علماء کرام کو دل کھول کر گالیاں بھی دیں۔ اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۴ء یا اس سے پہلے ہی ردقادیانیت میں اتنی پیش رفت کر چکے تھے کہ ان کا نام صف اول کے مجاہدین کے پہلو بہ پہلو آنا شروع ہوگیا تھا۔

پھر ۲۵؍مئی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ''معیار الاخیار'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا۔ اور اس میں کبار علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ اس اشتہار کے مدعوئین میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام موجود ہے۔ اور اس اشتہار کے جواب میں جو لوگ مباحثہ کے لیے اٹھے ان میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔

اسی طرح ۲۰؍جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ❶ کو دعوت دی کہ:

''میرے مقابل سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں۔ جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ موید من اللہ سمجھا جائے گا۔ ❷

اس مقابلہ تفسیر نویسی کی روداد نہایت دلچسپ ہے۔ لاہور میں مقررہ مقام پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء تشریف لائے۔ لیکن مرزا صاحب قادیان میں گھر کے اندر ہی دبک کر بیٹھ رہے اور وہیں سے علماء اسلام کے فرار کا اشتہار شائع کر دیا۔

ان چند متفرق واقعات سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اس ٹھوس جدوجہد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے ردقادیانیت کے سلسلے میں اس فتنے کے نمود وظہور کے ابتدائی ایام ہی سے اختیار کر رکھی تھی افسوس ہے کہ اس دور کی سرگرمیوں کی تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں۔

---

❶ دیکھئے مرقع قادیانی جنوری ۱۹۳۲ء ص ۱۳۔
❷ تاریخ مرزا ص ۵۷۔ و مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ص ۳۲۵، ج ۳

قادیانیت کی تردید مرزا جی کی زندگی میں

①

الہامات مرزا کی تالیف اور اس کے اثرات

(۱۹۰۱ء)

یہ کتاب مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دعاوں اور استخارات کے بعد تصنیف کی تھی جن کا ذکر پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔ آپ نے اس کی تصنیف کے لیے قلم اس وقت اٹھایا تھا، جب آپ تدریسی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اہل باطل کی تردید کے لیے تحریر و تقریر کے میدان میں اتر چکے تھے۔ اس کتاب کے تیسرے اڈیشن کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیت کی تردید میں آپ کی یہ پہلی باقاعدہ اور مستقل تصنیف ہے۔

مرزا صاحب کے سلسلہ میں اصل موضوع بحث صرف ایک ہی چیز ہو سکتی تھی کہ آیا وہ اپنے دعوئے مسیحیت میں صادق ہیں یا کاذب؟ لیکن مرزا صاحب کی ہوشیاری دیکھیے کہ وہ علمائے اسلام کو حیات و وفات مسیح کی طول طویل بحث میں الجھا کر اصل مسئلہ سے لوگوں کی توجہ ہٹائے رکھتے تھے اور علمائے کرام یہ سمجھ کر اس مسئلہ میں الجھے ہوئے رہتے تھے کہ آسمان پر مسیح علیہ السلام کا رہنا اور قرب قیامت میں وہاں سے نازل ہونا ثابت کر دیا جائے تو مرزا صاحب خود بخود جھوٹے ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرزا صاحب آسمان سے اترنے کے بجائے قادیان میں پیدا ہوئے لیکن اس علمی بحث کا نتیجہ یہ تھا کہ مرزا صاحب کی اصل حقیقت بے نقاب نہ ہو پاتی تھی اور عوام یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی اسلام کے بہت سے اختلافی مسائل کی طرح ایک اختلافی مسئلہ ہے

جس میں مختلف رائیں ہوسکتی ہیں۔ مرزا صاحب کو اس سے یہ فائدہ تھا کہ وہ کسی خاص مشکل میں پڑے بغیر لوگوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرتے رہتے تھے۔

اس صورت حال کے مدنظر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ادھر ادھر کی تمام طولانی بحثوں سے دامن سمیٹ کر اپنی اس کتاب ''الہامات مرزا'' میں پوری بحث صرف اس ایک نقطہ پر مرکوز کردی ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں یا کاذب؟ اور پھر ان کے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے معیار بھی اسی چیز کو قرار دیا ہے جسے خود مرزا صاحب نے اپنی سچائی اور جھوٹ کا معیار کہا ہے۔ اس بارے میں مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ:

''ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہوسکتا۔'' [1]

مولانا امرتسری رحمہ اللہ، مرزا صاحب کا یہ ارشاد نقل کر کے لکھتے ہیں:

''چونکہ قادیانی مذہب کی جانچ کا یہی ایک اصل الاصول ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس طریق سے اس ادعا کی جانچ کریں جس سے مرزا صاحب کے الہامی ہونے کی حقیقت کھل جائے۔ [2]

چنانچہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے پہلے اڈیشن میں مرزا صاحب کی ان چار پیشین گوئیوں پر بحث کی ہے جو اس وقت تک شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں۔ مولانا نے ہر ہر پیشین گوئی پر کئی پہلو سے بحث کی ہے اور خود مرزا صاحب کی عبارتوں اور ان کے بیانات کی روشنی میں نہایت ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہے جو مرزا صاحب کے جھوٹے اور برخود غلط ہونے کی واضح نشانی ہے۔ بعد کے اڈیشنوں میں مولانا نے اسی نہج پر ان مزید پیشین گوئیوں پر بحث کا اضافہ کیا ہے جنہیں مرزا صاحب نے بعد کے ادوار میں ارشاد فرمایا تھا:

---

[1] آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۸ و روحانی خزائن ص ۲۸۸، و مجموعہ اشتہارات ص ۱۵۹، ج ۱

[2] دیباچہ الہامات مرزا، طبع ششم، ص ۲۔

یہ کتاب قادیانیت کی تردید کے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کی اشاعت نے بہت سے اہل ایمان کے ڈگمگاتے ہوئے قدم جما دیئے اور قادیانی صف کے اندر ہلچل مچا دی۔ مرزا صاحب کے ایک بڑے خصوصی مرید اور عظیم موید ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے خیالات میں سب سے پہلا تغیر اسی کتاب کے ذریعہ آیا۔ پھر وہ ۱۹۰۶ء میں قادیانیت سے تائب ہو گئے اور اس کے بعد اتنی سرگرمی کے ساتھ مرزا صاحب کی تردید شروع کر دی کہ مرزا صاحب کے مرتے دم تک بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو وقت کے بڑے بڑے علماء اور شیوخ نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے استاد مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی نے فرمایا:

''اس سے بڑھ کر اس مضمون میں کوئی رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ مرزا کے اکذب الناس ہونے پر حجت واضح ہے۔ مرزا کے عقائد میں متر ددین کا تو کیا ذکر معتقدین کے اعتقاد کو بھی (بشرط انصاف) ہلا دینے والا ہے۔''

مولانا کے ایک استاد مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کتاب الہامات مرزا، واسطے تردید مرزا کے نرالی طرز کی ہے۔ مصنف عاقبت اندیش اس کو دیکھ کر کبھی مرزا کا معتقد نہیں رہ سکتا۔''

اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:

''میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے رسالہ (الہامات مرزا) کے ملاحظہ سے جس قدر اہل حق کے لیے تقویت ہوگی اسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر مقابل کے دل میں رعب ڈالا جائے گا۔''[1]

اور واقعی پیر صاحب کی یہ توقع حرف بحرف پوری ہوئی۔ مرزا صاحب مرتے دم تک اس کا جواب نہ دے سکے حالانکہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۱ء کے اخیر یا ۱۹۰۲ء کے شروع میں شائع ہوا تھا۔ (جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا) پھر جلد ہی دوسرا اڈیشن شائع ہوا (اور وہ بھی دیکھتے ہی

---

[1] ان اقتباسات کے لیے ملاحظہ ہو، الہامات مرزا طبع ثالث ص ا۔

دیکھتے نکل گیا) اور پہلے ایڈیشن کے ساتھ مرزا صاحب کو یہ چیلنج دیا گیا تھا کہ جواب لکھیں تو چھپا تھا اور اس انعام کے ساتھ کر پانچ سو روپے نقد دیے جائیں گے دوسرے ایڈیشن پر یہ رقم ایک ہزار کر دی گئی۔ اس چیلنج اس سے قادیانی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس لیے تیسرے ایڈیشن کے موقع پر ایک سال کا انتظار کیا گیا کہ شاید کچھ قادیانی ہفوات نمودار ہوں۔ مگر مرزا صاحب اس طرح مرعوب تھے کہ اس رسالے کے جواب میں ان کے قلم سیال سے ایک حروف بھی نہ ٹپک سکا۔ آخر ۱۹۰۴ء کے وسط میں تیسرا اڈیشن شائع ہوا اور انعامی رقم دو ہزار کر دی گئی۔ مگر قادیانی سلطان القلم کا قلم مرتے دم تک حرکت میں نہ آ سکا۔

بعد میں اس کتاب کے مزید تین یا تین سے زیادہ اڈیشن شائع ہوئے۔ ہر اڈیشن پر مولانا نے تازہ بتازہ مباحث کا اضافہ کر کے اس رسالہ کو اپنے موضوع پر انتہائی مکمل، یکتا اور منفرد بنا دیا۔

(۲)

موضع مد ضلع امرتسری رحمہ اللہ میں مناظر

(اکتوبر ۱۹۰۲ء)

الہامات مرزا کی اشاعت سے مرزا صاحب اوران کے ہوا خواہوں کو جو زخم لگا تھا وہ ابھی ہرا ہی تھا کہ ان پر ایک اور اچانک ایک اور مصیبت آ پڑی جو خود ان کی اپنی لائی ہوئی تھی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موضع مدہ ضلع امرتسر میں مرزائیوں نے شور وشغب کیا تو ان لوگوں نے (یعنی باشندگان موضع مدنے) لاہور ایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کو لاؤ کہ ان سے مباحثہ کریں۔ اہلِ لاہور کے مشورے سے......

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ایک تار آیا۔ اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آ پہنچا کہ چلئے ورنہ گاؤں کا گاؤں بلکہ اطراف کے لوگ بھی سب گمراہ ہو جائیں گے۔ خاکسار چاروناچار موضع مذکور پہنچا، مباحثہ ہوا۔ ❶

یہ مناظرہ ۲۹/۳۰/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوا تھا اور بڑے پیمانے پر اور بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ مرزائیوں کے مناظر مولوی سرور شاہ تھے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنے الہامی دعوؤں میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ❷ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا صاحب کے مقرر کیے ہوئے معیار اور اصول کے مطابق انہیں قطعی طور پر جھوٹا اور فریب کار ثابت کیا۔ بیچارے سرور شاہ صاحب نے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل توڑنے اور ان کی گرفتوں سے جان چھڑانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے، مگر......ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

آخر شکست فاش کھا کر بڑی رسوائی در دسیاہی کے ساتھ اپنے رفقاء سمیت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ❸ مرزا جی کے ان فرستادوں نے جب قادیان پہنچ کر اس المناک انجام کی داستان اور اپنی ذلت و رسوائی کے احوال ان کے گوش گذار کیے تو انہوں نے فرط حسرت سے بڑے دردانگیز اور کرب خیز اشعار کہے اور جوش غضب میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو دل کھول کر گالیاں دیں۔ بطور ان کی چند گالیاں آپ بھی سن لیجیے۔ جو یہ ہیں:

> ”تباہ کن، گمراہ اور گمراہ کن، جھوٹا، مفسد، بھڑیئے کی طرح بھونکنے والا، کتے کی طرح بھونکنے والا، بھیڑیا، متکبر، جہنم کا رہنما، احمق، اجڈ، ہذیان گو، فتنہ خیز، فساد انگیز، آتش فساد بھڑکانے والا، جال، بھوت، ابن الہویٰ، صاحب مکائد، بچھوؤں کی طرح ڈنگ مارنے والا، بے روح جسم، ہانڈی کی طرح جوش مارنے والا، نافہم، غدار الزماں، خاسر، راغم الانف، فحش گو، وغیرہ وغیرہ۔ ❹

اس مناظرے کے اثرات ونتائج مسلمانوں کے حق میں بہت ہی خوشگوار رہے۔ قادیانی

---

❶ الہامات مرزا طبع ششم، ص ۹۵۔
❷ کادیہ ج ۲، ص ۳۴۶، الہامات مرزا، ص ۲۸، ۲۹۔
❸ کادیہ، ج ۱، ص ۸۵۔
❹ دیکھیے قصائد احمدیہ، ص ۱۰۷ تا ۱۳۳۔

مکروفریب کا پردہ اس طرح چاک ہو گیا تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ موضع مد اور اس کے اطراف کے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ جاتا رہا۔ قادیانی بے یارومددگار اور یکہ وتنہا رہ گئے اور جن لوگوں نے قادیانیوں کو جوش حمایت میں چندے دیئے تھے۔ اب وہ بھی قادیانیوں کے مخالف تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے قصیدہ میں ان سارے ''مصائب'' کا بڑے دردانگیز، حسرت ناک اور غضب آلود انداز میں رونا رویا ہے۔ سرزمین مد کو عذاب کی دھمکی دی ہے اور اپنی بے کسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

فافردت افراد الحسین بکربلا　　وفی الحی صرنا مثل من کان یقبر

پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسین کربلا میں اور اس قوم میں ہم ایسے ہو گئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ [1]

اس قصیدہ کے دعائیہ کلمات بھی مرزا جی کی دلفگاری کے آئینہ دار ہیں۔ لکھتے ہیں:

سئمنا تکالیف التطاول من عدا　　تمادت لیالی الجوریا ربی انصر

طردنا لوجھک من مجالس قومنا　　فانت لنا حب فرید وموثر

ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں اور ظلم کی راتیں لمبی ہو گئیں، اے اللہ مدد کر۔ اے میرے اللہ! تیرے منہ کے لیے ہم اپنی مجلسوں سے رد کر دیئے۔ پس تو ہمارا یگانہ دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا۔ [2]

یہ معلوم ہے کہ اب تک مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا صاحب کے سب سے بڑے حریف پنجہ فگن تھے لیکن اب اس مناظرے کے بعد مرزا صاحب کے دل ودماغ پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ہیبت کا بوس بن کر سوار ہو گئی اور وہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے سخت گیر مناظر قرار دینے لگے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الارب خصم قدرایت جداله　　وما ان رأینا مثله من یزور

خبردار رہو! میں نے بہت سے بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس (مولانا ثناء اللہ)

---

1. یہ مرزا صاحب کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہے۔ اعجاز احمدی ص ۴۴ وروحانی، ص ۱۵۵، ج ۱۹
2. ایضاً، اعجاز احمدی ص ۴۷ وروحانی خزائن ص ۱۵۸، ج ۱۹

جیسا فریبی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ❶

فاوصیک یاردف الحسین ابا الوفا انب واتق اللہ المحاسب، واحذر

پس میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اے محمد حسین (بٹالوی) کے پیچھے پیچھے چلنے والے ابوالوفا! اللہ کی طرف جھک اور حساب لینے والے اللہ سے خوف کھا اور ڈر۔ ❷

(۳)

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قادیان میں

(جنوری ۱۹۰۳ء)

مرزا صاحب کے جس قصیدے کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے وہ موضع مد میں قادیانیوں کی شکست فاش کی یادگار تو تھا ہی، مرزا صاحب کی آئندہ کچھ شکستوں، ذلتوں اور رسوائیوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا اور خود مرزا جی کی حکمت عملی وجہ سے ہوا۔ ہوا یہ کہ مرزا جی نے جب یہ قصیدہ تیار کیا تو شکست کا داغ دھلنے کے لیے اسے معجزہ قرار دے دیا اور اس کا نام قصیدہ اعجازیہ رکھا۔ پھر مزید کچھ دعوے اور تحدیات لکھ کر اعجاز احمدی کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا اور اس کتاب ''اعجاز احمدی'' کے ص ۸۸ ❸ پر اس مضمون کا اشتہار دیا کہ ''اگر مولوی ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو عربی نظم جیسا میں نے بنایا ہے پانچ روز میں بنا دے تو میں دس ہزار روپیہ اس کو انعام دوں گا'' اس کے جواب میں مولانا نے جو کچھ کارروائی کی وہ ان ہی کی زبانی سنیے! لکھتے ہیں:

''میں نے ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار دیا جس کا خلاصہ ۲۹/ نومبر ۱۹۰۲ء کے پیسہ اخبار لاہور میں چھپا تھا کہ آپ (مرزا جی) پہلے ایک مجلس میں اس قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں صاف کر دیں تو پھر میں آپ سے زانو بزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جسے آپ کی مہلت کا کوئی علم

---

❶ اعجاز احمدی ص ۴۸ و روحانی، ص ۱۶۰، ج ۱۹

❷ اعجاز احمد ص ۵۴ و روحانی خزائن، ص ۱۶۶، ج ۱۹ ❸ روحانی خزائن ص ۲۰۲، ج ۱۹

نہیں، محدود وقت کا پابند کریں۔ اگر واقعی آپ اللہ کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے، ادھر اللہ کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ میدان میں طبع آزمائی نہ کریں بلکہ بقول حکیم سلطان محمود ساکن راولپنڈی......

بنائی آڑ کیوں دیوار گھر کی
نکل دیکھیں تری ہم شعر خوانی

حرم سرا ہی سے گولہ باری کریں [1]۔

مرزا جی اور ان کی امت کے اعصاب پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ہیبت اس طرح سوار تھی کہ کسی کو اس چیلنج کے جواب میں میدان کے اندر آنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ شیر پنجاب کی یہ گرج سن کر قادیان کوچۂ بازار اور درودیوار پر سناٹا چھا گیا۔

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کردوں گا۔ چنانچہ مولانا نے ''الہامات مرزا'' کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ یہ قصیدہ جسے مرزا جی معجزہ قرار دے رہے ہیں۔ اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلاغت تو درکنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں۔ باقی رہا عربی زبان وادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورا کا پورا قصیدہ ہی لچر پوچ ہے۔

خیر اس طرح کی ضربیں تو مرزا صاحب سہنے کے عادی تھے ہی لیکن اس سلسلہ میں جو دوسرا واقعہ پیش آیا وہ خاصا اہم اور موثر تھا اور اس نے مرزا صاحب کے اعجاز والہام کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی اعجاز احمدی میں ص ۱۱ پر مرزا صاحب نے فرط جوش میں لکھ مارا۔

''اگر یہ (مولوی ثناء اللہ) سچے ہیں تو قادیان میں آ کر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لیے ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا اور آمدورفت کا کرایہ علیحدہ۔'' [2]

---

[1] الہامات مرزا، ص ۹۶ [2] روحانی خزائن، ص ۱۱۸، ج ۱۹

پھر ص ۴۳۳ پر لکھا:

''مولوی ثناء اللہ نے (مباحثہ مد میں) کہا تھا کہ سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں اس لیے ہم (مرزا) ان کو مدعو کرتے ہیں اور اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کے لیے قادیان میں آئیں۔ یاد رہے کہ رسالہ نزول المسیح میں ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے اور در بدر کی گدائی کرنے سے نجات ہوگی بلکہ ہم اور پیشگوئیاں بھی معہ ثبوت ان کے سامنے پیش کر دیں گے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپیہ دیتے جاویں گے۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے۔ پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہوگا۔ جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے وہ در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں اور اللہ کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن [1] اور وعظ کے پیسوں پر گذارہ ہے۔ ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا ان کے لیے ایک بہشت ہے لیکن اگر میرے اس بیان کی طرف توجہ نہ کریں اور اس تحقیق کے لیے پابندی شرائط مذکورہ جس میں بشرط ثبوت تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں۔ قادیان میں نہ آئیں تو لعنت ہے اس لاف وگزاف پر جو انہوں نے موضع مد میں مباحث کے وقت کی اور سکت بے حیائی سے جھوٹ بولا...... وہ انسان کتوں سے بدتر ہے جو بلاوجہ بھونکتا ہے اور وہ زندگی لعنتی ہے جو بے شرمی سے گذرتی ہے۔'' [2]

ان ''ارشادات عالیہ'' اور ''کلمات طیب'' سے مرزا صاحب کے اپنے دل کی بھڑاس تو نکل سکتی تھی لیکن اس کے مریدوں کے پائے ثبات میں جو لغزش آ چکی تھی، اسے پختگی میں بدلنے

---

[1] یہ مرزا صاحب کا سو فیصدی جھوٹ ہے۔

[2] روحانی خزائن، ص ۱۳۲، ج ۱۹

کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ کوئی روحانی حربہ بھی استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی اعجاز احمدی میں ص ۳۷ پر اس چیلنج کے سلسلہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق تین پیشین گوئیاں بھی داغ دیں۔ ارشاد ہوا کہ:

"واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے۔

① ...... وہ قادیان میں تمام پیشگوئیاں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشگوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لیے موت ہوگی۔

② ...... اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے۔

③ ...... اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہوگی۔" ❶

اب ان تینوں پیشین گوئیوں کا حشر سنیے!

نمبر سوم کے سلسلے میں مولانا نے جو چیلنج دیا اس سے مرزا جی اور ان کی پوری امت عاجز رہ کر روسیاہ ہوئی۔ تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔

نمبر دوم کا جواب مولانا کی طرف سے اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ وما تدری نفس ماذا تکسب غدا، وماتدری نفس بای ارض تموت۔ کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا اور کون سی سرزمین میں مرے گا لیکن قدرت نے چند برس بعد خود اس کا جواب فراہم کر دیا۔ مرزا جی اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مرجائے اور اس کے بعد مرزا جی (کاذب) اس جہان بے ثبات سے بصد حسرت و یاس گذر گئے۔ اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ ان کے بعد چالیس برس تک ان کی امت کی سرکوبی کے لیے زندہ رہے۔

ہاں نمبر اول کا جواب بے شک مولانا کے بس میں تھا یعنی قادیان پہنچنا۔ چنانچہ آپ رمضان شریف (جو شروع ہو چکا تھا) گذرتے ہی۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کو پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لیے بلائے بے درماں کی طرح قادیان جا دھمکے اور ظاہر ہے کہ صرف آپ کے قادیان پہنچ جانے ہی سے مرزا صاحب کی پیشین گوئی نمبر ۱ بھی باطل ہوگئی۔

---

❶ روحانی خزائن ص ۱۲۸، ج ۱۹

خیر اب سنیے کہ مولانا نے قادیان پہنچ کر کیا کارروائی کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"۱۰/ جنوری ۱۹۰۳ء کو راقم نے قادیان میں پہنچ کر مرزا جی کو مندرجہ ذیل رقعہ لکھا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی دعوت حسب مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱ و ص ۲۳ قادیان میں اس وقت حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں۔ چونکہ آپ (بقول خود) ایک ایسے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصاً ہے۔ اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدۂ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور ہی موقع دیں۔"

راقم: ابوالوفاء ثناء اللہ

۱۰/ جنوری ۱۹۰۳ء وقت سوا تین بجے دن کے

اس کا جواب مرزا جی کی طرف سے نہایت ہی شیریں اور مزیدار پہنچا جو مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. ازطرف عائذ باللہ الصمد، غلام احمد، عافاہ اللہ واید.

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب!

آپ کا رقعہ پہنچا اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و

شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعوی سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہو گئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت ﷺ پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت موسیٰ پر یا حضرت یونس پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن کی پیشین گوئیوں پر زور نہ ہو۔ دوسری یہ شرط ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصراً ایک سطر یا دو سطر تحریر دیدیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آ گئے اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صم بکم۔ یہ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے۔ اول صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے

سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سناویں۔ ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو شبہات [1] دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں بآواز بلند لوگوں کو سنادوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دور کردیئے جائیں گے لیکن اگر یہ چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جائے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵رجنوری ۱۹۰۳ء کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک تین گھنٹہ تک آپ کے لیے خرچ کرسکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا، ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے گا۔

سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ بذریعہ تحریر جو دو سطر سے زیادہ نہ ہو۔ ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جائیں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسا صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دور کرالیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرلے گا۔ اس کو اپنے وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ سے نہیں ڈرتے ان کی تو نیت ہی اور ہوتی ہے۔

بالآخر اس غرض کے لیے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں۔ قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اول چونکہ میں ''انجام

---

[1] مولانا لکھتے ہیں: چہ خوش ہم تو آپ کی دعوت کے مطابق تکذیب کو آئے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ شبہات دور کرانے آئے ہیں آپ کی معمولی بات ہے۔

آتھم'' میں اللہ تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں [1] کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر حد تین سطر تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور منہاج نبوت کے رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن اسی طرح دوسری لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ [2] آمین۔ سو اب میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہیے کہ اول آپ مطابق اس عہد موکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا اور آپ کو بلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔''

مرزا غلام احمد بقلم خود (مہر)

---

[1] یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ انجام آتھم ۱۸۹۶ء میں چھپی تھی اور مرزا صاحب نے اس کے بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کے اشتہار معیار الاخیار میں علماء کو مباحث کی دعوت دی ہے۔

[2] الحمد للہ مرزا جی نے دیکھ لیا۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کیسی صفائی اور ہوشیاری کے ساتھ بحث سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق حق کے لیے مجھے بلایا ہے جو بالکل بحث کے ہم معنی لفظ ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۳ اعجاز احمدی) اور اب صاف منکر ہیں بلکہ مجھے ایسی خاموشی کا حکم دیتے ہیں کہ صم بکم (بہرہ گونگا) ہو کر آپ کا لیکچر سنتا جاؤں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ بکم یعنی گونگا ہو کر تو میں سن سکتا ہوں، صم (بہرہ) ہو کر کیا سنوں گا۔ شاید یہ بھی معجزہ ہو۔ خیر بہر حال اس کا جواب جو خاکسار کی طرف سے گیا وہ درج ذیل ہے۔

"الحمدلله وسلام علی عباده الذين اصطفى. امابعد.

از خاکسار ثناء الله

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا۔ مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا۔ وہی ظاہر ہوا۔ جناب والا! جب کہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱۔۲۳ حاضر ہوا ہوں، اور صاف لفظوں میں رقعہ اولیٰ میں انہیں صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے بجز العادة طبيعة ثانية کے اور کیا معنی رکھتی ہے؟

جناب من! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پر تو اس نیاز مند کو تحقیق کے لیے بلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں (خاکسار) آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کر دوں تو فی پیشگوئی مبلغ سو روپیہ انعام لوں اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطریں لکھنے کا پابند کرتے ہیں اور اپنے لیے تین گھنٹہ تجویز کرتے ہیں۔ تلك اذا قسمة ضنيزى۔

بھلا کیا یہ تحقیق کا طریقہ ہے۔ میں تو ایک دو سطریں لکھوں اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں اور تحقیق سے اعراض کرتے

ہیں۔ جس کی بابت آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔
جس سے عمدہ میں امرتسر ہی میں بیٹھا ہوا کر سکتا تھا اور کر چکا ہوں مگر میں چونکہ
اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بلا نیل مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں
جانتا اس لیے میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین
سطریں ہی لکھوں گا اور آپ بلا شک تین گھنٹے تک تقرر کریں مگر اتنی اصلاح
ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹے کے
بعد پانچ منٹ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر
کروں گا اور چونکہ مجمع آپ پسند نہیں کرتے۔ اس لیے فریقین کے آدمی محدود
ہوں گے۔ جو پچیس پچیس سے زائد نہ ہوں گے۔ آپ میرا بلا اطلاع آنا
چوروں کی طرح فرماتے ہیں۔ کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں؟ اطلاع
دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا۔ علاوہ اس کے آپ کو آسمانی اطلاع ہوگئی
ہوگی۔ آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھ کو دیدیجیے گا۔ کارروائی آج
ہی شروع ہو جائے۔ آپ کے جواب آنے پر میں اپنا مختصر سا سوال بھیج دوں گا
باقی لعنتوں کی بابت وہی عرض ہے جو حدیث میں موجود[1] ہے......

(۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء)

مولانا لکھتے ہیں اور بالکل بجا لکھتے ہیں: ''کیسے معقول طریق سے راقم آثم (یعنی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے وجوہات بتلائے اور کس نرمی سے مرزا جی کی پیش کردہ تجویز تھوڑی سی خفیف اصلاح کے ساتھ بعینہٖ منظور کر لی۔ مگر مرزا جی اور معقولیت؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

چونکہ ہر ایک انسان کو اپنا علم حضوری ہے۔ مرزا جی بھی اپنا پول خوب جانتے تھے۔ اس لیے آپ اس رقعہ پر ایسے خفا ہوئے اور اتنی گالیاں دیں کہ کہنے سننے سے باہر۔ ہم ان کو اپنے

---

[1] وہ یہ ہے کہ لعنت کا مخاطب اگر لعنت کا حق دار نہیں تو کرنے والے پر پڑتی ہے۔ منہ

لفظوں میں نہیں، بلکہ قاصدوں کے لفظوں میں حاشیہ [1] پر لکھتے ہیں۔ آخر اس خفگی میں آپ نے رقعہ کا جواب بھی نہ دیا اور اپنے مصاحبوں کو حکم دے دیا کہ لکھ دو۔ چنانچہ وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. حامدا ومصلیا.

مولوی ثناء اللہ صاحب! آپ کا رقعہ حضرت اقدس، امام الزماں، مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے جو طلب حق سے بعد المشرقین کی دوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے اور حضرت انجام آتھم میں اور نیز اپنے خط مرقومہ جواب سامی میں قسم کھا چکے اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔ خلاف معاہدۂ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کے لیے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ کافی نہیں۔ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو،

---

[1] شہادت: ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر بحکم لاتکتموا الشھادۃ سچ کہتے ہیں کہ جب ہم مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب کا خط لے کر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرزا صاحب ایک ایک فقرہ سنتے جاتے تھے اور بڑے غصہ سے بدن پر رعشہ تھا اور دہان مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے اور حضار مجلس مریدان بھی ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ حضرت واقعی ان (مولوی) لوگوں کو تہذیب اور تمیز نہیں۔ چند الفاظ جو مرزا صاحب نے علماء کی نسبت عموماً اور مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت خصوصاً فرمائے تھے یہ ہیں:

''خبیث، سور، کتا، بدذات، گوں خوار ہے۔ ہم اس کو کبھی نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔ لعنت لے کر ہی جائے گا۔ اس کو کہو کہ لعنت لے کر یہ قادیان سے چلا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

سننے میں اور اس وقت کی حالت دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ہم حلفیہ بطور شہادت کہتے ہیں کہ ایسی گالیاں ہم نے مرزا صاحب کی زبان سے سنی ہیں۔ جو کسی چوہڑے چمار سے بھی کبھی نہیں سنیں۔

راقمان: حکیم محمد صدیق ساکن ضلع جالندھر، بشی دانشمندان، محمد ابراہیم، امرتسر، کٹرہ سفید۔

بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں تاکہ حق وباطل سب پر واضح ہو جائے۔ (والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء)

گواہ شد محمد سردار وابوسعید عفی عنہ۔ خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزماں۔

مولانا لکھتے ہیں: چونکہ میرا روئے سخن خود مابدولت سے تھا اس لیے میرا حق تھا کہ میں کسی ماتحت کی تحریر نہ لیتا۔ مگر اس خیال سے کہ پبلک کو مرزا جی کے فرار کا نشان بتلایا جائے میں نے رقعہ مرقومہ قبول کر لیا۔

ان حضرات مرسلین رقعہ وگواہان پر افسوس نہیں بلکہ افسوس ان لوگوں پر ہے جو ایسے لوگوں کو دراز ریش دیکھ کر عالم یا مولوی سمجھ لیتے ہیں۔ جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ اور تحقیق ایک ہی چیز ہے......اور صفحہ ۲۳ا اعجاز احمدی پر مجھ کو تحقیق کے لیے بلا رہے ہیں......پس تحقیق حق کے لیے بلاکر مناظرہ سے انکار کرنا صریح انکار، بعد از اقرار کا مصداق ہے اور موقع پر الہام کی......مرزا جی اقرار کے بعد انکار معتبر نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو [1] اعجاز احمدی، ص ۳۰)

یہ واقعہ موجودہ حالات میں جیسا کچھ بھی معلوم ہوتا ہو مگر اس وقت بڑے دوررس اثرات و نتائج کا حامل ہوا۔ مرزا صاحب پہلے تو اپنے عربی قصیدہ کو معجزہ قرار دے کر دندناتے پھر رہے تھے۔ پھر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق پیشین گوئی کر کے بڑے ولولے اور ہمہمے کے ساتھ اپنے قصر نبوت کی تعمیر بھی کرنے لگے تھے اور اپنی ان واہی تباہی ڈینگوں سے اینٹ اور گارے کا کام لے رہے تھے۔ سارے ملک کی نگاہیں مولانا امرتسری رحمہ اللہ علیہ پر لگی ہوئی تھیں۔ مولانا کے قادیان پہنچ جانے سے مرزا جی کے سارے اینٹ اور گارے بکھر گئے اور ان کا عالیشان قصر نبوت بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ان معاملات کو منظر عام پر آنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خرافات نے ارتداد کے لیے جو فضا ہموار کر رکھی تھی وہ یکسر بدل گئی اور خود ان کے مریدوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ جن کی طبیعتوں میں سلامتی تھی وہ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اس طرح کا ایک خط الہامات مرزا طبع سوم کے آخری صفحہ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] دیکھیے الہامات مرزا طبع ششم، ص ۱۱۶ تا ۱۲۳۔

(۴)

مسلسل ضربیں

(۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۷ء)

اسی سال (۱۹۰۳ء) کے ماہ نومبر میں مولانا نے ہفت روزہ اہل حدیث کا اجراء فرمایا جو مرزا صاحب اور ان کی امت کے لیے بلائے بے درماں ثابت ہوا۔ کیونکہ اس ہفت روزہ کا ایک ایک حصہ جہاں آریوں، عیسائیوں اور دیگر دشمنان اسلام کے حملوں کے دفاع کے لیے مخصوص تھا۔ وہیں اس کا ایک حصہ قادیانیت کی تردید کے لیے بھی وقف تھا۔ ہفتہ بھر میں جو کچھ قادنیوں کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا تھا اس کی قلعی کھولی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچایا۔ خصوصاً ۱۹۰۴ء کے طاعون کے سلسلہ میں مرزا صاحب اور ان کی امت کی تمام پھندے اس طرح چاک ہوئے کہ وہ اپنی ساری تگ ودو اور حرفت بازیوں کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح ہر ہفتہ کی مسلسل ضربوں نے مرزا صاحب کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا کہ اس ہفت روزہ کے اجراء کے صرف تین سال ۵ ماہ بعد وہ اپنا اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مقدمہ لے کر اللہ کی عدالت میں جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے استغاثہ کے ساڑھے تیرہ ماہ بعد ایسا فیصلہ کیا جسے اہل اسلام اور قادیانیوں کی جنگ کی تاریخ کا یوم الفرقان کہنا صحیح ہوگا۔ اس کی روئیداد اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے!